ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور
پاکستان

بانی:
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
مولانا عبید اللہ انور
امیر انجمن خدام الدین لاہور



مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

فی شمارہ
۴۰ پیسے

جلد نمبر ۱۹ — شمارہ نمبر ۳
۱۳ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ ۱۵ جون ۱۹۷۳ء

شیرانوالہ دروازہ لاہور —— فون نمبر: ۶۷۵۴۵

مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ کی تقریر

حجیتِ حدیث

مرتبہ: محمد رمضان ربانی، نواں شہر ملتان

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (پ۵)

صدرِ محترم اور میرے معزز اور قابل قدر بزرگو، عزیزو، بھائیو اور بہنو! مولانا آزاد صاحب دام مجدہم نے جو عنوان دیا ہے وہ آپ نے بھی سنا یعنی اس عنوان پر کچھ بولنا ہے کہ حدیث حجت ہے۔ اگر آپ ذرا گہری نگاہ سے دیکھیں تو کتنے ہی افسوس کی بات نظر آتی ہے کہ مسلمان کے سامنے یہ بات پیش کی جائے کہ حدیث حجت ہے۔ آپؐ کا ارشاد عمل حجت ہے جو آپؐ کے سامنے کیا گیا اور کہا گیا ہو اور اس پر آپؐ نے سکوت فرمایا ہو۔ وہ حجت ہے۔

انقلاب زمانہ دیکھئے، ایک دو حدیثوں کی بات نہیں سند کا اشکال نہیں بلکہ کلیۃً اس بات کا انکار ہے کہ حدیث حجت ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ جب ایمان کی حرارت موجود تھی صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک ایک حدیث پر عمل کیا کرتے تھے چنانچہ تاریخ کا واقعہ ہے۔ کہ حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ ایرانیوں کے دربار میں سفیر بن کر گئے (خلیفہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا) کھانا تیار ہوا۔ بادشاہ، وزراء اور امراء وغیرہ سب مجلس میں شامل تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب کھانے میں مصروف ہوتے ہیں تو آپ کے ہاتھ سے لقمہ گر جاتا ہے۔ انہوں نے لقمہ اٹھا کر کھانے کی کوشش کی اور ایرانی اسے معیوب سمجھتے تھے ایک ایرانی روکنے لگا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا میں انہی کی وجہ سے اپنے محبوبؐ کے فرمان کو چھوڑ دوں؟ بات زیادہ ہو گئی تو بادشاہ نے اس گفتگو کو سن کر ترجمان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو اس ترجمان نے سارا ماجرا سنا دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو وہ اسے اٹھا کر کھالے جس کی بہت سی وجوہ بیان کی گئی ہیں جن کا بتلانا مقصود نہیں۔ البتہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہ اٹھانے میں تکبر معلوم ہوتا ہے اور تکبر معیوب ہے۔ تو بادشاہ نے سمجھ لیا کہ جو اپنے آقا کی ایک لقمہ کی سنت ترک کرنے پر راضی نہیں وہ جہاد کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ اور آج یہ عالم ہے کہ کہا جا رہا ہے دل چاہے تو حدیث کو مان لو ورنہ کیا ضرورت ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک موقعہ پر اپنے بیٹے بلالؓ کو یہ حدیث سنائی تو وہ بگڑ گئے۔ چنانچہ ابن عمرؓ نے تین بار اسے لعنک اللہ کہا اور فرمایا میں تجھے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتا ہوں اور تیرا حال یہ ہے کہ تحدث تُنھی عن رأیک بھذا فلا اُکلمک ابدا۔ القصہ باپ دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن بیٹے سے بات تک نہ کی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ احادیث لکھا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ سب کچھ نہ لکھا کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر بشر ہیں کبھی راضی ہوتے ہیں اور کبھی ناراض۔ کبھی غصے کی حالت میں اور کبھی کسی حالت میں۔ جب مجلس برخواست ہونے پر آئی تو آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس زبان سے جو کچھ نکلتا ہے سچ نکلتا ہے۔

ایک کہنے لگا اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ کہ کبھی تو آپؐ ہمارے ساتھ دل لگی بھی کر لیا کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ دل لگی میں بھی میری زبان سے سچ نکلتا ہے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے سواری کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اَحْمِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ تو وہ شخص کہنے لگا مَا اَفْعَلُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب اونٹ بوڑھا ہو جاتا ہے تب بھی ولد ناقہ (اونٹنی کا بچہ) ہوتا ہے۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی تو ایک بڑھیا گھبرانے لگی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جوان ہو کر جائے گی تو یہ بات بھی اگرچہ دل لگی کی بات ہے مگر سچ ہے۔

اسلام کے معنی گردن نہادن کے ہیں۔ کہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمان کی گردن جھکی ہوئی ہو۔ جوں جوں زمانہ بڑھتا جائیگا خرابیاں بڑھتی جائیں گی۔

میں نے آیت پڑھی ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الآیۃ۔ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے رب کی قسم (میری ذات کی قسم) یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالٰی بغیر قسم کے فرما دیتے تو پھر بھی یقین ہو سکتا ہے کیونکہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا (کہ اللہ تعالٰی جیسا کون سچا ہو سکتا ہے؟) اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ تاوقتیکہ تجھے حَکَم نہ بنائیں۔ علماء کہتے ہیں کہ حاکم اور حَکَم میں فرق ہے۔ حاکم وہ ہوتا ہے جس کی حکومت رضا اور غیر رضا دونوں صورتوں میں تسلیم کی جائے۔ لیکن حَکَم وہ ہوتا ہے جو صرف رضامندی سے تسلیم کیا جائے۔ باقی رہا یہ کہ کس چیز میں؟ ارشاد فرمایا۔ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں۔

اب ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو سہی کہ کیا ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم تسلیم کیا ہے۔ جو اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص ہیں مثلاً نو بیویوں کو ایک وقت میں رکھنا وغیرہ الگ ان کے سوا باقی سب اعمال میں آپؐ کی اطاعت کے پابند ہیں۔ اوپر والا بٹن رکھنا سنت ہے کیا ہم ایسا کرتے ہیں۔ یا اسی غرض سے کرتے ہیں کہ آپ نے ایسا کیا تھا۔ کوئی عمل آپؐ نے دیکھا ہو اور اس پر تنقید نہ کی ہو تو وہ بھی ہمارے لیے حجت ہے۔ ثُمَّ لَا يَجِدُوا حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ۔ حرجًا نکرہ ذکر کیا گیا ہے کہ معمولی سی تنگی بھی محسوس نہ کریں۔ ورنہ ایمان چلا جائے گا۔ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔ جب تک میری مرضی کے مطابق کسی کی خواہش نہ ہو اس وقت تک وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

کلمہ پڑھنے کے بعد مسلمان کی زندگی ملازم کی زندگی کی طرح ہے۔ کلمہ میں آپ کی رسالت کا اقرار کر کے آپ کے احکام پر چلنے کا عہد کر لیا ہے۔ قال النبیؐ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں اور آج یہ کہتے ہیں کہ سنت کی پوزیشن تاریخ جیسی ہے مرضی آئے لو مرضی آئے چھوڑ دو۔ پرویز لکھتا ہے کہ اگر آج سائنس بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسمانی کو ثابت کر دے تو میں پھر بھی اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ علاوہ ازیں اسی پرویز نے حضرت عیسٰی علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یوسف نجار کو باپ ثابت کیا ہے، حالانکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بغیر باپ کے ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔

خدام الدین

۱۳ ربیع الثانی، سنہ ۱۳۹۳ھ
۱۵ جون ، سنہ ۱۹۷۳ء

جلد ۱۹ شمارہ ۳

مندرجات

رئیس الادارہ
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور
مدیر
مجاہد الحسینی

جمعۃ المبارک کو چھٹی کا مسئلہ

جمعہ کے روز اخبارات میں فلمی صفحات کی اشاعت اور نئی فلموں کا افتتاح بند کیا جائے

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جمعہ کو سرکاری چھٹی قرار دینے کے لیے ایک مدت سے مطالبہ کیا جا رہا ہے آج جب کہ پاکستان کا آئین منظور ہو چکا ہے اور اس کی اسلامی حیثیت کے بارے میں بھی تمام دینی اور مذہبی جماعتیں اظہار خیال کر چکی ہیں۔ جمعہ کو سرکاری چھٹی قرار نہ دینا انتہائی افسوسناک ہے کیونکہ ایک طرف تو ہم پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دے رہے ہیں اور دوسری جانب یہ عمل کہ انگریزی دور اقتدار کی یادگار ہفتہ وار تعطیل اتوار جوں کی توں برقرار رکھی جا رہی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے افسوسناک بلکہ شرمناک پہلو یہ ہے کہ ملک کے جن مختلف تعلیمی اداروں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لیا ہے ان میں سے جو ادارے اپنی ہفتہ وار تعطیل جمعہ کو کیا کرتے تھے مثلاً اسلامیہ ہائی سکول اور کالج یا دیگر ادارے، حکومت کی تحویل میں آجانے کے بعد ان تمام اداروں میں بھی جمعہ کی چھٹی ختم کر کے اتوار کر دی گئی ہے ارباب اختیار کا یہ انداز عمل نہایت ہی قابل مذمت اور باعث صد افسوس ہے، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جن تعلیمی اداروں میں جمعہ کی چھٹی رائج تھی اسے علیٰ حالہٖ رکھا جاتا اور دیگر اداروں میں بتدریج اتوار کے بجائے جمعہ کو سرکاری طور پر چھٹی کا دن قرار دیا جاتا جیسا کہ دنیا کے مختلف اسلامی ملکوں سعودی عرب، مصر، ایران، اردن، افغانستان، سوڈان، عراق، شام، کویت، ابوظہبی، لیبیا، مسقط، صومالیہ، عمان، شمالی یمن، جنوبی یمن اور آزاد کشمیر وغیرہ میں جمعہ کو سرکاری طور چھٹی کا دن مقرر کیا گیا ہے۔

اگر ان اسلامی ملکوں کا نظام حکومت جمعہ کو چھٹی کرنے سے ٹھیک طور پر چل سکتا ہے اور یورپ کے ملکوں کے ساتھ ان کے تجارتی، ثقافتی، صنعتی اور حکومتی تعلقات کسی طور بھی متاثر نہیں ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی اتوار کے بجائے جمعہ کو رخصت کا دن قرار دینے سے اس کے تعلقات متاثر ہوں یا کسی نوعیت کی رکاوٹ پیدا ہو سکے۔

جمعہ کو چھٹی کے علاوہ کچھ عرصہ سے ایک اور قابل صد نفرت مہم چل پڑی ہے کہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے تمام بڑے بڑے اخبارات جمعہ کو فلمی ایڈیشن شائع کرنے لگے ہیں اور تمام سینماؤں میں نئی فلموں کا جمعہ کے مقدس دن افتتاح کیا جاتا ہے۔

یہ وبا اس قدر پھیل گئی ہے کہ شریف لوگ اب اخبار کا مطالعہ کرنے اور اسے اپنے گھر لے جانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ ارباب اقتدار کو چاہیئے کہ وہ اس ناگفتنی صورت حال کا سختی سے نوٹس لے کر ایسا اقدام کریں کہ سینماؤں کو جمعہ کے دن نئی فلموں کے افتتاح اور اخبارات کو بروز جمعہ فلمی ایڈیشن شائع کرنے سے منع کر دیا جائے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سنگین سزا دی جائے۔

اقلیت نہیں تو اور کیا؟

معاصر امروز لاہور کے سٹاف رپورٹر کی وساطت سے یہ خبر شائع ہوئی ہے

لاہور ۸ جون۔ پنجاب اسمبلی کے سپیکر رفیق احمد شیخ نے احمدیوں کو اقلیت قرار دینے سے متعلق میاں خورشید انور کی قرار داد ایوان میں پیش کرنے کی اجازت نہیں دی سپیکر نے قرار داد مسترد کرتے ہوئے کہا اقلیت اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر سکتی ہے لیکن آئین کے تحت حکومت کسی کو اقلیت قرار نہیں دے سکتی۔ اس پر قائد حزب اختلاف علامہ رحمت اللہ ارشد کھڑے ہوئے اور قرار داد ایوان میں پیش کرنے کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ آئین میں مسلمان کی واضح تعریف موجود ہے اور صدر پاکستان جو حلف اٹھائیں گے اس میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اس پر سپیکر نے کہا کہ عبوری یا مستقل آئین میں مسلمان کی جو تعریف ہے اسے ماننے والا مسلمان ہے اور جو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے لیکن حکومت کسی کو اقلیت قرار دینے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (امروز لاہور ۹ جون ۱۹۷۳ء)

جناب سپیکر کے بیان کے مطابق یہ حقیقت تو واضح ہو گئی ہے کہ پاکستان کے قانون کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والے مسلمان نہیں ہیں۔

ہم اقلیت کی بحث کو فی الحال ملتوی کیے دیتے ہیں حکومت کو اتنا تو چاہیئے کہ وہ منکرین ختم نبوت کو غیر مسلموں کی فہرست میں شامل کر دیں۔ اگر منکرین ختم نبوت غیر مسلم اقلیت نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟ قانونی لحاظ سے کچھ

مودودی اور پرویز کی قرآن فہمی پر ایک نظر

برصغیر میں صرف اُن لوگوں نے قرآن کریم صحیح طور سے سمجھا جنہوں نے انگریز کیخلاف جہاد کیا

تحریر: حکیم آزاد شیرازی

حضرتِ مکرم مجاہد الحسینی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدام الدین ۲۵ مئی میں آپ کا تحریر کردہ اداریہ بعنوان "قرآن عربی مبین" اور تفہیم القرآن "اردوئے مبین" نظروں سے گذرا۔ لیکن جب میں نے اس کا بغور مطالعہ کیا تو آپ کی سادگی پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور علامہ اقبالؒ والا وہ لطیفہ بھی یاد آگیا کہ امام حسینؓ زیادہ مظلوم ہیں یا قرآن حکیم ــــ؟

میں نے جب کبھی دورِ حاضرہ کے قرآن دانی کے دعویداروں کا ذہنی تجزیہ کیا ہے مجھے ایک ہی بات سمجھ میں آئی ہے کہ غالباً قرآن دانی کے ان مدعیوں کے نزدیک قرآن پر عمل کرنے کا دور ختم ہو چکا ہے یا ابھی شروع ہی نہیں ہوا یہ دور تو قرآن کو سمجھنے کا ہے اور نہ جانے اس کے سمجھنے کے لیے ابھی کتنے سو سال درکار ہیں جب سب لوگ اس کو سمجھ جائیں گے اس کے بعد اس پر عمل کرنے کا سوال پیدا ہوگا۔

شاید دورِ حاضرہ کے قرآن دانی کے ایک اور مدعی مسٹر غلام احمد پرویز کا رسالہ "طلوعِ اسلام" کبھی آپ کی نظروں سے نہیں گذرا جس کے سرورق پر ان کی "لغات القرآن" کا اشتہار اس جلی عنوان سے شائع ہوتا ہے کہ "قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا" جب تک پرویز صاحب کی لغات القرآن کو نہ پڑھا جائے۔ پرویز صاحب کے ایک معتقد سے میں نے جب یہ سوال کیا کہ اگر یہ بات درست ہے کہ جب تک لغات القرآن نہ پڑھی جائے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا تو یہ بات بھی درست ہونی چاہیئے کہ گذشتہ چودہ سو سال میں جن مسلمانوں نے قرآن پر عمل نہیں کیا وہ حق بجانب تھے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن سمجھا ہی نہیں تھا۔

انگریزی دور کی مذہبی آزادی

پرویز صاحب کے معتقدین صرف پرویزی لغات کو اور مودودی صاحب کے معتقدین صرف "مودودی تفہیم القرآن" کو قرآن سمجھنے کا واحد ذریعہ قرار دیں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ انگریز صاحب بہادر نے اپنے دورِ اقتدار میں مذہبی آزادی کے نام پر جو آزادیٔ تحریر و تقریر ہمیں بخشی تھی اس کا مقصدِ حقیقی یہی تو تھا کہ ع۔ انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ۔

کیا آپ کے علم میں نہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد نے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ کرتے وقت اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کا ترجمہ حاکمِ وقت لکھ کر مسلمانوں کو غلامی کی زندگی پر رضامند کرنے کی کوشش کی۔ سر سید احمد خاں نے یہ دلیل پیش کی کہ جب اسلام میں سیاہ فام حبشی حاکم کی اطاعت فرض ہے تو پھر سفید فام گورے چٹے انگریز حکمرانوں کی اطاعت تو فرضِ عین ہے۔ برطانیہ کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد نے جہاد بالسیف کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی خدمت بھی اسی لیے انجام دی کہ انگریز صاحب بہادر خوش ہو۔ سب قرآن کے نئے ترجموں، تفسیروں اور تشریحوں ہی کا تو نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دو سو سال میں جہاد بالسیف چھوڑ کر جہاد بالقلم کی ذہنی عیاشی میں مصروف ہے ہر شخص وقت کی غلط بخشی نے جس کے ہاتھ میں قلم دے دیا ہے قرآن پر قلمکاری کے حاشیے چڑھا کر مجتہد العصر بنا بیٹھا ہے اور قرآن کے ڈانڈے شاعری سے ملا دیئے گئے ہیں۔ شاعرِ اقبال نے سچ ہی تو کہا تھا ؎

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا عقیدہ ہے کہ ناقص ہے کتاب
جو سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

میں بھی قرآن حکیم کا مطالعہ نصف صدی سے کر رہا ہوں اور اب تک اس کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں میں نے سینکڑوں مرتبہ قرآن حکیم میں یہ بات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب مسلمان غلام ہو جائیں تو زندگی کس انداز میں بسر کریں۔ کیا حاکمانِ وقت کے سامنے سربسجود ہو کر اور راضی برضائے تقدیر ہو کر غلامانہ انداز میں بسر کریں ــ؟ کافر حاکموں کے قانون کے اندر رہ کر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں؟ ان کے نظامِ تعلیم کے مطابق تعلیم حاصل کر کے ان کے دربار میں بڑے سے بڑا منصب حاصل کر کے اطمینان کی زندگی بسر کریں؟ اور صرف کلمہ پڑھ کر، نماز روزہ کا پابند ہو کر اس امر کا یقین کر لے کہ ان کی عاقبت محمود ہو گئی ہے ــ؟

قرآن حکیم نے سرے سے مسلمانوں کا غلام بن کر زندہ رہنے کو تسلیم ہی نہیں کیا اور میرے نزدیک ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد قرآن حکیم کو صرف ان لوگوں نے سمجھا جنہوں نے اپنی زندگیاں انگریزوں کی غلامی سے قوم کو آزاد کرانے کیلئے وقف کر دیں۔ ہاں بلاشبہ میرے نزدیک سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید، ۱۸۵۷ء کے مجاہدینِ آزادی، سید محمود الحسن دیوبندی، سید حسین احمد مدنی، ابو الکلام آزاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، علامہ محمد عنایت اللہ خاں المشرقی اور ان کے وہ ہزاروں ساتھی جنہوں نے انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ قرآن حکیم کے مفہوم سے آشنا تھے اور اس دور میں صرف یہی لوگ تھے جو قرونِ اولیٰ کے ان مسلمانوں کی یادگار اور جانشین تھے، جنہوں نے قرآن حکیم کو تفسیروں، تشریحوں، ترجموں اور حاشیوں کے ذریعے پڑھنے اور سمجھنے کے بغیر تلوار ہاتھ میں لے کر دنیا کے تین چوتھائی حصے پر اسلام کا پرچم بلند کر دیا تھا اور اللہ کی حکمرانی قائم کر کے دکھا دیا تھا کہ اسلام کا مقصدِ وحید اور قرآن کریم کا صحیح مفہوم صرف یہ ہے کہ کائنات کے ہر گوشے سے شیطانی تسلط کو ختم کر کے خدائے یکتا کی حکمرانی قائم کی جائے۔ میرے نزدیک ہر وہ قوم قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کر رہی ہے جو غیروں کے تسلط سے آزاد ہونے کی جدوجہد میں مصروف ہے جو انسانوں کو انسانوں کے ظلم و ستم اور جبر و استبداد سے آزاد کرانے کا تہیہ کر چکی ہے وہ قوم پاکستان میں ہو یا عرب میں، چین میں ہو یا الجزائر میں، ویٹ نام میں ہو یا لیبیا میں ــــ ایسی ہی قومیں اور ایسی ہی قوموں کے رہنما اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں قرآن فہمی کا صحیح مدعی قرار دیا جائے۔

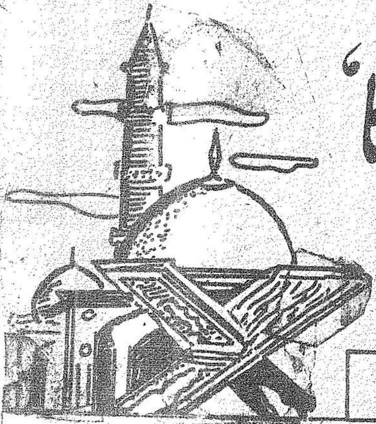
میرا یہ ایمان بھی انتہائی پختہ ہے کہ دنیا کی جو قوم دنیا میں استحکام، غلبہ، ترقی حاصل کر رہی ہے وہ دانستہ یا نادانستہ قرآن حکیم ہی کی تعلیمات پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے دنیاوی انعامات کی بارش سے سیراب ہو رہی ہے اور جس قوم میں انتشار ہے، افراتفری ہے، نفسا نفسی ہے، غلامی ذلت و شکست سے دو چار ہے وہ قوم قرآنی تعلیمات سے روگردانی کر رہی ہے خواہ اس نے اپنے ماتھے پر تفہیم القرآن کا لیبل لگا رکھا ہو یا لغات القرآن کا ــــ آپ "عربی مبین" کے مقابلے پر "اردوئے مبین" کی اصطلاح ہی پر گھبرا گئے ہیں اور جماعت اسلامی کو اسلام کے خلاف گستاخانہ رویہ ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور میں تو اکبر الٰہ آبادی کے لفظوں میں ؎

ہم ایسی سب کتابیں لائقِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

آپ نے بلاشبہ اپنا فریضہ یہ اداریہ لکھ کر ادا کر دیا ہے ان گستاخیوں کا سدباب تو اربابِ اقتدار ہی کر سکتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ آخری عمر میں امیر شریعت سید

(باقی صفحہ ۱۲ پر)



اجتماع جمعۃ المبارک

یکم جون ۱۹۷۳ء

مرتب

عبدالرشید انصاری

ہمیں رحماء بینھم کا عملی نمونہ پیش کرنا ہوگا

اغیار کے مقابلہ کیلئے باہمی اتحاد ضروری ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم کا خطاب

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا تف یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا ۔ (سورہ فتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔

خداوند عالم نے ملت اسلامیہ کو اپنی ان گنت نعمتوں اور بے انتہا رحمتوں سے نوازا ہے جن کا تقاضا ہے کہ مسلمان احکام خداوندی کی تعمیل اور اللہ تعالیٰ کے پیغام توحید کی اشاعت میں سب سے بڑھ جائیں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں کسی امر کو رکاوٹ نہ بننے دیں۔ یہ باتیں اسی وقت ممکن الوجود ہو سکتی ہیں جب رحمت کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کا عقیدہ ہر آلائش و خلش اور شک و شبہ سے پاک ہو اگر کسی ذہن نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم رسالت کے عقیدہ کی سفید چادر پر شک و شبہ کا سیاہ دھبہ ڈال لیا تو اسلام اور ایمان کا ادھر سے گذر تک نہ ہوگا۔ پھر یہاں کفر و الحاد کا دور دورہ ہوگا۔ نیکی سے نفرت اور برائی پر گستاخی پروان چڑھے گی۔ سچی بات نہ ماننے اور جھوٹ کا پرچار کرنے کا داعیہ پیدا ہوگا۔

اس کے برعکس یعنی جب رب العالمین کی الوہیت و وحدانیت کا اعتراف کرتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے ساتھ محمد رسول اللہ کے نجات آفریں الفاظ کی تمام صداقتوں پر یقین رکھنے اور توحید و رسالت پر ایمان کے تمام تقاضے پورے کرنے کا وعدہ کر لیا گیا تو پھر زندگی کے اعلیٰ اور پاکیزہ مقاصد حاصل کرنے اور رب العالمین کی ان رحمتوں سے بہرہ ور ہونے کے لیے جو اس کے فرمانبردار بندوں کو ملا کرتی ہیں لازمی ہوگا۔ کہ فیض یافتگان صحبت پیمبری حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ولولہ انگیز زندگیوں کو مشعل راہ بنا لیا جائے جن کی دنیا و آخرت میں کامیابی و سرخروئی کا اعلان خود قرآن مجید نے

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

کے الفاظ میں کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کن اعمال سے مقبول بارگاہ خداوندی ہوئے اور کن اعمال کی بدولت وہ ایک مختصر سی مدت میں دنیا پر چھا گئے۔ بڑی بڑی قوموں اور ظالم و جابر بادشاہوں، رؤساء اور سرداروں نے ان کی بے سروسامانی اور فقر و درویشی کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں اسلام کے تمام اجتماعی اصولوں پر سختی سے کاربند ہونے کی ضرورت پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے اگرچہ اس ضرورت سے کسی دور میں بھی انکار کی گنجائش نہیں رہی لیکن جتنا عمل کم ہوتا گیا اتنی ضرورت بڑھتی گئی۔ اور آج جب بے عملی عروج پر ہے اسی لیے ان اصولوں پر عملدرآمد کی ضرورت بھی شدید تر ہے جس طرح بیماری بڑھتی پھیلتی اور طویل ہوتی جائے گی اسی طرح علاج معالجہ کے اچھا ہونے اور لازمی ہونے کی ضرورت و اہمیت بھی بڑھتی رہے گی۔

آج ہمارا معاشرہ جن برائیوں میں ملوث ہے ان کے مہلک اور تباہ کن ہونے اور ان سے نجات حاصل کرنے کی ضرورت کے زبانی اقرار کے سوا دین و اخلاق کے تمام تقاضے پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں اور اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ گناہ اور برائی کی راہ میں قدم بقدم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ مذہبی تعلیمات سے بیگانگی کا عالم یہ ہے کہ باپ کا انتقال ہو جائے تو بیٹا شرعی طریقے کے مطابق باپ کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی محروم رہتا ہے۔ اور اپنے باپ کے لیے ایصال ثواب یا نجات کا ذریعہ بننے والا کوئی کام انجام دینے کے بجائے برادری اور ماحول کے پیچھے لگ کر ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے جن کا دین و شریعت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اس طرح یہ بیٹا اپنی تمنا اور خواہش کے باوجود اپنے والد کی مابعد الموت زندگی کے لیے سکون و راحت اور سامان نجات پہنچانے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ تو بعد کی بات ہے موجودہ "جدت پسند" معاشرہ اس قدر اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے کہ بھائی بہنوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے۔ والدین اولاد کو دین و مذہب کی تعلیمات سے محروم رکھ کر "مہذب ظلم" کی انتہا کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں آوارگی، اوباشی اور مذہب و اخلاق کی ہر قید سے کھلی بغاوت، دلوں کا سکون اور گھروں کی رونقیں لوٹ لیتی ہیں۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن گھریلو اور برادری کے جھگڑوں میں آج ہر خاندان الجھا نظر آ رہا ہے یہ اپنی ہی غلطیوں کا خمیازہ اور اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد جھوٹ اور دھوکہ دہی جو کچھ بھی ہے سارے کا سارا اسلام کی تعلیمات سے روگردانی اور اسلام کی متعین کردہ حدود و قیود کا احترام نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے اسلام نے جو حقوق متعین کئے ہیں والدین کے اولاد پر، اولاد کے والدین پر، مزدور کے مالک پر اور مالک کے مزدور پر، رعایا کے حکمرانوں پر اور حکمرانوں کے رعایا پر۔ اگر ان سب کی پوری طرح ادائیگی ہونے لگ جائے اور اس سلسلہ میں کسی کوتاہی اور بے انصافی کو آڑے نہ آنے دیا جائے تو آج ہی معاشرتی پریشانیوں اور الجھنوں سے نجات مل سکتی ہے اور تمام بدحالیاں خوشحالیوں میں بدل سکتی ہیں۔

ملی طور پر اس وقت تمام مسلمان بڑی طاقتوں کی پنجہ آزمائی اور سامراجی قوتوں کے استحصالی شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک ہر مسلمان ریاست اپنی بقا کے لیے کسی ایک بڑی طاقت کا حاشیہ بردار بن کر اس کے زیر سایہ رہنا لازمی سمجھ بیٹھی ہے اس کے باوجود کہ عالم اسلام مجموعی طور پر تمام مادی اور روحانی نعمتوں سے مالامال ہے، باہمی سرپھٹول انتشار و اختلاف کے باعث کاسۂ گدائی لے کر دشمنوں کے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہر ملک مجبور ہو گیا ہے اور اس میں کسی شرم و عار یا اپنی خودداری کے مجروح ہونے کا سوال ہی اٹھ گیا ہے اور معاملہ یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ بعض اسلامی ممالک سامراج کے آلہ کار بن کر اپنوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اور وہ اسے "بقائے امن" اور "تحفظ حقوق" کی کوشش قرار دیتے ہیں۔ ان حالات میں دوسروں کو ہم پر زیادتی کرنے، اپنے توسیع پسندانہ عزائم کا ہمیں نشانہ بنانے اور ہمارے مفادات پر قبضہ جمانے کی جرأت کیوں نہ ہو آخر امریکہ جیسے ملک کو اس "غنڈہ گردی" کی دھمکی دینے کی جرأت کیوں کر ہوئی کہ اگر عربوں نے تیل کی سپلائی روکنے کی کوشش کی تو ان ممالک میں ہم اپنی چھاتہ بردار فوج اتار دیں گے۔ یہ اعلان بجائے خود ایک چیلنج ہے کیا اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے اسلامی ممالک نے

مراسلہ

قادیانیوں کی پُراسرار سرگرمیوں کا سدِّ باب کیا جائے

یکم جون - مدنی جامع مسجد چکوال میں سُنّی مسلمانوں کا عظیم اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں یہ قراردادیں منظور کی گئیں۔

۱- آزاد کشمیر کے حالیہ شدید بحران کے دوران صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان اور صدر آزاد کشمیر کی حالیہ ملاقات کے بعد نتیجہ میں سابقہ شدید بحران کے ختم ہونے پر صدر آزاد کشمیر کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے اس اظہار کو بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ "آزاد کشمیر میں جمہوری عمل کو کسی صورت میں ختم نہیں ہونے دیا جائے گا اور آزاد کشمیر کی موجودہ حکومت اپنی میعاد پوری کرے گی"۔

۲- مدنی جامع مسجد کے مسلمانوں کا یہ اجتماع یقین رکھتا ہے کہ اس بحران کے اصلی محرک مرزائی ہیں جنہوں نے آزاد کشمیر اسمبلی کو اس قرارداد ختم نبوت کے ردِّ عمل میں یہ سب کچھ کیا ہے کہ لہٰذا مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ چنانچہ مرزائیوں کے شائع کردہ پمفلٹ احمدیوں کے بارے میں آزاد کشمیر کی قراردادوں کا تجزیہ اور "حقیقت حال" اور روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۳ر مئی ۱۹۷۳ء میں مرزا ناصر احمد سربراہ مرزائیت کا مطبوعہ خطبہ اس پر شاہد ہے جس میں اعلان کیا گیا ہے کہ:-

"ہمارے لاکھوں مسلح اور تربیت یافتہ احمدی نوجوان جو موت سے محبت کرتے ہیں اور جو خالد بن ولید کا لشکر بن چکے ہیں دنیا دیکھ لے گی کہ وہ وقت آنے پر کیا کرتے ہیں۔ الیکشن میں ہمارے اکیس لاکھ نوجوان پیپلز پارٹی کے ورکر بن کر کام کرتے رہے"۔

ربوہ کے ڈکٹیٹر مرزا ناصر کا یہ اعلان انتہائی اشتعال انگیز ہے اور نہ صرف مسلمانانِ پاکستان بلکہ حکومت پاکستان کے لیے بھی ایک چیلنج ہے اور فوجی انقلاب لانے کا اعلان ہے اس لیے مسلمانوں کا یہ اجتماع حکومت پاکستان سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مرزا ناصر کے اس خطبہ کا سختی سے نوٹس لے اور مذکورہ ٹریکٹ اور مطبوعہ خطبہ کو فوری طور پر ضبط کر کے ان کے خلاف قانونی کارروائی کرے اور مرزائیوں کے ناپاک ارادوں کا قلع قمع کرنے پر توجہ دے۔

۳- اسلامی عقیدہ ختم نبوت اور آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صدر اور وزیراعظم کے حلف نامہ کے حسب ذیل الفاظ کے تحت کہ:

"مَیں قسم کھاتا ہوں کہ مَیں مسلمان ہوں اور خدا پر میرا یقین ہے اور اس کی کتاب قرآن پاک جو کہ آخری کتاب ہے اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر خدا کی رحمت ہو۔ جن کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قیامت کے دن پر رسولؐ کی سنت و حدیث پر، قرآن پاک کے احکامات پر (الیٰ آخر) سنی مسلمانوں کا یہ عظیم اجتماع پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ پاکستان میں بھی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے مرزائیوں کی سازشوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

الاحقر منظور حسین غفرلہ خطیب مدنی جامع مسجد چکوال - امیر خدام اہلسنت صوبہ پنجاب۔

دل کی غفلت کا علاج

نماز میں دل دو وجہ سے غافل ہوتا ہے ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ جہاں نماز پڑھے وہاں کوئی چیز دکھائی یا سنائی دیتی ہو۔ جس میں دل مشغول ہو جائے اور کان اور آنکھ کے تابع ہو جائے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ نماز نوافل خلوت میں ادا کرے جہاں کوئی آواز سنائی نہ دے۔ اگر اندھیری جگہ ہو تو بہتر ہے یا آنکھ بند کرے۔ اکثر عابدوں نے نماز کے لیے تنگ و تاریک گھر بنایا ہوا ہے کہ فراخ جگہ میں دل پراگندہ ہوتا ہے۔ دوسرا سبب باطنی ہے۔ جس سے خیالات پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ دل کسی کام میں مشغول ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کام کو ختم کرے اور دل کو اس سے فارغ کر کے پھر نماز ادا کرے۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَالْعِشَاءُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ۔

جب کھانا اور نماز ایک وقت پر آ جائیں پہلے کھانا کھا لو۔ ایسا ہی کوئی اور بات دریافت کرنی ہو تو پہلے بات کرے اور دل کو اس اندیشہ سے خالی کرے۔ دوسرے ایسا اندیشہ جو ایک گھڑی میں ختم نہ ہو یا خود خیالات پراگندہ ہوں جو عادت کی وجہ سے دل پر غالب ہو گئے ہوں تو ان کا علاج یہ ہے کہ دل کو ذکر و قرآن خوانی میں لگائے اور اس کے معانی پر غور کرے اگر خواہش خیالات زبردست ہوں تو اس طرح دفع نہ ہوگی بلکہ پہلے مسہل ضروری ہوگا جو مرض کو اندر سے نکالے اور اس کا مسہل یہ ہے کہ اس چیز کو ترک کر دے جس سے اندیشہ پیدا ہوتا ہے تاکہ رہائی حاصل ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ہرگز اس اندیشہ سے نجات نہ ہوگی اور اس کی نماز خطرات نفسانی سے مل رہے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص درخت کے نیچے بیٹھے اور چاہے کہ میں جانوروں کی آوازیں نہ سنوں ایک لکڑی پکڑ کر ان کو اُڑا دے۔ لیکن وہ جلد ہی پھر واپس آ جاتے ہیں۔ اگر ان سے بالکل نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا علاج درخت کو جڑ سے اکھاڑ دینا ہے کیونکہ جب تک درخت ہے جانوروں کا نشیمن بھی ہے۔ حضور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خوبصورت اور منقش جامہ جو بطور ہدیہ آپ کے پاس لایا گیا تھا اتار کر اس کے مالک کو واپس بھجوا دیا۔ اور وہی پرانا لباس پہن لیا۔ کیونکہ نماز کے دوران آپ کی نگاہ اس کی خوبصورتی پر جا پڑی تھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے نخلستان میں نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے ایک خوبصورت جانور دیکھا کہ درختوں کے درمیان اڑتا تھا۔ اور اسے دانہ نہیں ملتا تھا۔ ان کا دل ان کی طرف مشغول ہوا اور بھول گئے کہ کتنی رکعتیں ادا کی ہیں۔ پس آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دل کا شکوہ کیا۔ اور سارا نخلستان اس کے کفارہ میں صدقہ کر دیا۔

غرض جب نماز سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر دل پر غالب نہ ہو تو نماز میں بھی حاضر نہیں ہوتا۔ اور جو اندیشے دل میں راہ پاتے ہوں گے نماز کے وقت بھی دل اُن سے خالی نہ ہوگا۔ جو شخص حضور دل سے نماز پڑھنا چاہے تو دنیا کے مشغلوں کو اپنے دل سے دُور کرے۔ اور دنیا بقدر حاجت پر قناعت کرے اور اس کا مقصود عبادت میں دل کی فراغت ہو۔

(اکسیر ہدایت فیض الغفور)

تحریر کردہ: قاری عبدالکریم ۱ ٹلوپورہ محلہ، میلسی ضلع ملتان

مشاہداتِ حجاز

قسط نمبر (۹)

تحریر: مجاہد الحسینی



منیٰ میں جلالۃ الملک شاہ فیصل سے ملاقات

مولانا مفتی محمود رکن پاکستان حج وفد کو شاہی مہمان قرار دیا گیا

پاکستانی سفارت خانے کی دعوت میں مولانا غلام غوث ہزاروی کی عربی میں شاندار تقریر

منیٰ میں قیام کے دوران قربانی اور حجامت کے بعد چونکہ احرام کھول دیا جاتا ہے اور جمرات پر کنکریاں مارنے کے علاوہ دیگر ضروری مصروفیات نہیں ہوتیں اور مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد یہ دن عید اور خوشی کے ہوتے ہیں اس لیے سعودی حکمران کی جانب سے دنیا کے مختلف وفود کے اعزاز میں ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے چنانچہ دوسرے روز دنیائے اسلام کے دیگر وفود کے ساتھ ساتھ پاکستان کے صحافتی وفد کا بھی جلالۃ الملک شاہ فیصل سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ ہم سب صحیح وقت پر منیٰ میں واقع شاہ کے محل میں چلے گئے۔ وہاں کچھ لوگ تو باہر برآمدے میں بچھی ہوئی کرسیوں پر ملاقات کے لیے سراپا انتظار تھے اور ایک بڑی تعداد محل کے وسیع و عریض ہال کمرے میں شاہ فیصل کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کر رہی تھی۔ چند لمحے بعد پہلے ملاقاتی کمرے سے باہر آگئے اور ہمیں شرفِ ملاقات کے لیے بلایا گیا۔ جلالۃ الملک شاہ فیصل پرشکوہ اور عظمت و وقار کے ساتھ کھڑے مختلف ممالک کے وفود سے مصافحہ کر رہے تھے۔ ہماری باری آئی اور سعودی وزارۃ الاعلام کے نمائندوں نے پاکستان کے صحافتی وفد کی حیثیت سے جب شاہ سے ہمارا تعارف کرایا تو شاہ نے نہایت گرمجوشی اور محبت بھرے انداز میں اھلاً وسھلاً و مرحبًا کے الفاظ سے ہمارا استقبال کیا۔ شاہ نے مصافحہ کے بعد ہمیں سامنے کی نشستوں پر بٹھایا گیا۔ اور جس نشست پر شاہ فیصل جلوہ افروز تھے اس پر شاہ کے ساتھ ساتھ جامعہ ازہر قاہرہ کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد الفحام، عراق، اردن کے چند علماء اور شیوخ حکومتِ پاکستان کے وفد کے رکن اور وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد مولانا مفتی محمود، پاکستان کے سابق گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان اور حکومت سعودیہ کے موجودہ مشیر مالیات جناب انور علی اور دنیائے اسلام کی چند دیگر شخصیات بھی جلوہ فرما تھیں ان کے پیچھے کی نشست پر سعودی عرب کے عمائدینِ مملکت جن میں شاہ کا حفاظتی عملہ بھی شامل تھا عربی لباس میں ملبوس نہایت شان اور وقار کے ساتھ چاک و چوبند کھڑے تھے۔

شاہ فیصل کے روبرو جب مختلف ممالکِ اسلامیہ کے وفود نہایت ادب و احترام کے ساتھ بیٹھ گئے تو شاہی آدابِ مہمان نوازی کے مطابق پہلے الائچی کا قہوہ اور پھر چائے سے تواضع کی گئی۔ اس اثنا میں سعودی عرب کے علاوہ مختلف ممالک کے جید علماء کرام، مفکرین، دانشور اور شعراء حضرات نے جلالۃ الملک شاہ فیصل کے حضور عقیدت و محبت کے تہنیت نامے پیش کیے۔

یکے بعد دیگرے چونکہ دیگر ممالک کے وفود بھی شوقِ ملاقات میں سراپا انتظار تھے اس لیے شاہ کے دربار میں تھوڑے سے وقفہ کے بعد ملاقاتی خود بخود مؤدبانہ سلام عرض کرتے ہوئے اٹھ کر چلے جاتے لہٰذا ہم نے بھی دوسرے ملاقاتیوں کے لیے اپنی نشستیں فارغ کر دیں۔

● پاکستانی وزیرِ حج کی دعوت

شاہ فیصل سے ملاقات کا شرف حاصل کرکے ہم اپنی قیامگاہ میں واپس آگئے اور پاکستان کے سرکاری وفد کے قائد اور وزیرِ حج مولانا کوثر نیازی کے اعزاز میں دی گئی پاکستانی سفارت خانے کی دعوت میں شرکت کے لیے تیاری شروع کر دی۔ دوپہر کے کھانے کی اس دعوت میں شریک ہونے کے لیے ہم لوگ وقتِ مقررہ سے گھنٹہ پہلے ہی اپنی قیامگاہ سے نکل کھڑے ہوتے کیونکہ منیٰ میں واقع پاکستانی سفارت خانے کی بلڈنگ سے ہم لوگ ناواقف تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سعودی عرب کی دعوت پر گئے ہوئے پاکستانی صحافیوں کے اس وفد نے ڈیڑھ گھنٹہ کی "تلاش بسیار" کے بعد پاکستانی سفارت خانے کی بلڈنگ دریافت کی۔ سفارت خانے کی بلڈنگ پر پاکستانی پرچم نمایاں نہ ہونے کے سبب پہچان بڑی مشکل تھی۔ غرضیکہ ہم لوگ دعوت گاہ میں پہنچے تو وہاں پاکستانی حج وفد کے اراکین کے علاوہ بہت سی دیگر ممتاز شخصیات اور پاکستان کے عام قومی و ملی کارکن بھی موجود تھے کہ اتنے میں پاکستانی حج وفد کے قائد اور مہمانِ خصوصی مولانا کوثر نیازی رنگین کھدر کے لباس میں ملبوس تشریف لائے بعد ازاں ان کے ساتھ ہی سعودی حکومت کے وزیر الحج والاوقاف الشیخ حسن کیتبی، جامعہ ازہر کے شیخ محمد الفحام، بعض دیگر ممالک کے سفارتی نمائندے، پاکستانی حج وفد کے اراکین میں سے چوہدری مختار احمد کاہلوں وزیر اطلاعات و اوقاف حکومت پنجاب، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالحکیم چوہدری غلام نبی ممبران قومی اسمبلی اور دیگر حضرات بھی تشریف لے آئے۔

مدعوین پاکستانی وفود کے علاوہ غیر مدعوین عام حاجیوں کی کثیر تعداد بھی اس مجلس میں موجود تھی۔

حسبِ پروگرام جب کارروائی کے آغاز کا اعلان لاؤڈ سپیکر کے بغیر کیا گیا تو پاکستانی سفارت خانے کے اس "حسن انتظام" کی سب نے داد دی حاضرین نے بیک زبان یہی کہا کہ اگر پاکستانی سفارت خانہ لاؤڈ سپیکر کا انتظام کرنے سے قاصر ہے تو باہر سے کسی ایرانی حج قافلہ سے دستی لاؤڈ سپیکر عاریۃً لے کر ہی گذارہ کرلیا جاتے۔

بہرحال کارروائی لاؤڈ سپیکر کے بغیر شروع ہوئی۔ تلاوت کے لیے مولانا عبدالحکیم رکن قومی اسمبلی کا نام پکارا گیا۔ مولانا کی تلاوت کے بعد مولانا غلام غوث ہزاروی نے عربی زبان میں مہمان خصوصی مولانا کوثر نیازی کو خیر مقدم کہا اور پاکستان کو درپیش مسائل خصوصًا بھارتی جارحیت کے باعث بنگلہ دیش کے قیام اور بھارت کی قید و بند میں نوّے ہزار فرزندانِ اسلام کی ناگفتنی صورتِ حال کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا غلام غوث ہزاروی کے بعد پاکستانی حج وفد کے قائد اور وزیرِ حج

مولانا کوثر نیازی نے خطاب کیا۔ آپ نے سب سے پہلے حکومت سعودیہ کا اور خصوصاً وزیر حج و اوقاف جناب حسن کتبی کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے پاکستانی حجاج اور مختلف وفود کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرکے بے حد متاثر اور ممنون کیا ہے پھر شرکاءِ مجلس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا۔

میں اس اجتماع میں آپ تمام حضرات کا بڑی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں۔ یہ بات واضح ہے کہ آپ تمام حضرات یہاں فریضۂ حج ادا کرنے اور اپنے ملک کی نمائندگی کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں یہ مسلمانانِ عالم کا اہم ترین اور دائمی اجتماع ہوتا ہے جس کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تاکہ ہم سب ایک مذہبی فریضے کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے مسائل پر تبادلۂ خیالات کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ حج اسلام کے پانچ ارکان میں شامل ہے جن کے بغیر مسلمانوں کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

برادرانِ عزیز! آج کل ہمارے سامنے ایک جانب مختلف نظریاتی تنازعات ہیں اور دوسری جانب مختلف اقسام کے ازم کار فرما ہیں اس کے علاوہ ہمیں اہم اقتصادی مسائل بھی درپیش ہیں۔ یہ سب باتیں ہمیں متحد ہونے کی نہ صرف دعوت دیتی ہیں بلکہ یہ اتحاد ہمارے لیے لازمی بھی ہے لہذا ہمیں ایک ایسے اتحاد کی ضرورت ہے جو ہمیں اس قابل بنا دے کہ ایک کے مسائل کو سب کے مسائل سمجھنے لگیں۔ کیونکہ ہم سب ایک ہی مذہب یعنی اسلام کے پیروکار ہیں۔ دنیائے اسلام میں موجودہ صورتِ حال کی تصویر کافی تشویشناک ہے۔ مشرق اور مغرب دونوں میں اسلام دشمن طاقتوں کی موجودگی ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ ہم سب ایک دوسرے سے متحد ہو جائیں۔

سعودی عرب کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ حج مسلمانوں کا ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے جس میں ہم میں ہر ایک اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی بہبود کی دعا مانگتا ہے کیونکہ ایک دوسرے کی مدد کرنا اسلام اور مسلمانوں کی فطرت ہے۔

پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کے اسلامی جذبہ کے نتیجہ میں قائم ہوا ہے اور یہ درحقیقت اسلام کا قلعہ ہے میں تمام مسلمانوں کو یاد دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے خلاف کوئی بھی اندرونی یا بیرونی سازش نہ صرف خود پاکستان کے لیے انفرادی طور پر تشویشناک ہوگی بلکہ دنیائے اسلام کے لیے خطرناک ہوگی۔

پاکستان مسلمانانِ عالم کے لیے پناہ گاہ ہے اور اگر خدانخواستہ یہ دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا تو یہ دشمن اسی پر اکتفا نہ کریں گے بلکہ تمام دنیائے اسلام کو نگلنے کے لیے اپنے منصوبوں پر عمل کریں گے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس معاملہ پر ہمارے دشمنوں کے درمیان ایک خفیہ سمجھوتہ ہو چکا ہے۔

مجھے ان واقعات اور مسائل کے بیان کی ضرورت نہیں جن سے ہم گزرے ہیں کیونکہ آپ کو ان کا بخوبی علم ہے بلکہ درحقیقت اس وقت آپ ہماری مدد کو پہنچے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے اور وہی سچے مسلمان ہیں جو ان آزمائشوں میں ثابت قدم رہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"یاد رکھو کہ اللہ کی رحمتیں تمہارے ساتھ ہیں — اور ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ہمیں صبر و تحمل کے ساتھ ان مشکلات کا سامنا کرنے کی توفیق عطا کی خوش قسمتی سے وہ وقت گذر چکا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا پاکستان پر فضل و کرم ہے کہ ہم صدر ذوالفقار علی بھٹو کی ولولہ انگیز قیادت میں بڑھ سکے اور اپنے ملک کی تعمیرِ نو شروع کر سکے۔ صدر بھٹو نہ صرف اپنے عوام کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے بلکہ دنیائے اسلام کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو مستحکم کرنے اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں امنِ عالم کو مستحکم کرنے کے لیے بھی انتھک کام کر رہے ہیں۔

یہ بات ہم سب کے لیے باعثِ فخر و مسرت ہے کہ پاکستان ہمہ گیر ترقی کے میدان میں بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے اور اس طور سے اور اس حد تک ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہے جس نے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں اعلیٰحضرت شاہ فیصل اور ان کی حکومت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے عازمینِ حج کے لیے اور مدینہ منورہ اور زیارت کو آنے والوں کے لیے بڑے وسیع اور اعلیٰ انتظامات کیے۔ انھوں نے تمام دنیا سے آنے والے مسلمانوں کے مختلف حصوں کو متحد کرنے کے لیے جو انتظامات کیے ہیں اور خاص طور پر جن دوستانہ جذبات کا پاکستان اور پاکستان کے عوام کے لیے اظہار کیا ہے اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس موقع پر میں بقیہ عالم اسلام کی حکومتوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مشکل کے وقت ہماری مدد کی اور ہم سے تعاون کیا میں اس کے لیے ان سب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان عالم اسلام کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھتا ہوں اور انھیں کسی لحاظ سے بھی کم اہمیت نہیں دیتا کیونکہ یہی اسلام کی تعلیم ہے جو پاکستان کی بنیاد ہے۔

برادرانِ عزیز: —— آپ نے اس موقع پر جن برادرانہ الفت کے جذبات کا اظہار کیا ہے اس پر براہ کرم حکومت پاکستان اور عوام کی طرف سے شکریہ قبول فرمائیں۔

تقاریر کے بعد سفارت خانہ کی طرف سے دی گئی دعوت میں شرکت کی دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت پاکر مہمان خصوصی مولانا کوثر نیازی نے سعودی عرب کے وزیر حج اور جامعہ ازہر کے شیخ کا صحافیوں، اراکین وفد اور دیگر پاکستانی حجاج سے تعارف کروایا۔ تقریب سے فارغ ہو کر باہر نکلے اور دروازے پر پاکستانی حجاج کا ایک جم غفیر موجود تھا جو اپنے مسائل کے بارے میں پاکستانی وزیر حج اور قائدِ وفد سے ملنا چاہتا تھا۔ مولانا کوثر نیازی کو ان کے مسائل سے آگاہ کیا گیا۔ آپ نے ان سے ملاقات کرکے انھیں پوری طرح مطمئن کیا —— مولانا عبدالحکیم ایم این اے نے پاکستان کے صحافتی وفد کے اراکین سے مخاطب ہو کر کہا۔ صحافیو! ——— مولانا مفتی محمود رکن پاکستانی حج وفد شاہی مہمان کی حیثیت سے شاہ فیصل کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اعزاز بخشا ہے۔ +

آج بھی ہمارا امتحان ہے

مقاصد جتنے اونچے اور اونچا بخت ہوتا ہے   زمانے میں انہی کا امتحاں بھی سخت ہوتا ہے
خدا ہی منزلِ مقصود ہو جن کی نگاہوں میں   غضب کے امتحاں رکھے گئے ہیں انکی راہوں میں
مؤذن نعرۂ اللہ اکبر لے کے اٹھتا ہے   جہاں کفر تیغ و تیر و خنجر لے کے اٹھتا ہے
جہاں صدق و صفا ہیں پیش خیمے خوش نصیبی کے   منازل پیش آتے ہیں وہیں شامِ غریبی کے
ودیعت جن کو ہو جاتا ہے ذوقِ نیک انجامی   انہی کو توڑنی پڑتی ہے ہر زنجیرِ ناکامی
جو دنیا کے لیے آتے ہیں لیکر دورِ خوشحالی   انہیں دنیا کے ہاتھوں دیکھنی پڑتی ہے پامالی
جنہیں قسمت سے رحم و عدل کے اعمال ملتے ہیں   وہ اکثر زخم کی دولت سے مالا مال ملتے ہیں
جو انسان کو دیا کرتے ہیں ہدیے شادمانی کے   گذرتے ہیں وہی انبوہ سے اعدائے جانی کے
جو دولت بانٹتے پھرتے ہیں پاکیزہ خیالوں کی   انہی کے سامنے آتی ہیں سوغاتیں ملالوں کی

مسلمانوں کو ان سارے مراحل سے گذرنا ہے
اسی صورت بنی آدم کی بگڑی کو سنورنا ہے

(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

فلسفۂ عبادات

عقل اور نقل کی روشنی میں

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مد ظلہ العالی

اسلام میں وہ کیا کیا عمل کے کام ہیں جو عناصر اور مادہ کی کدورتوں کو دُور کرتے، خدا سے غفلت کو رفع کرتے اور نور الہٰی سے قریب کر کر کے انسان کو انسان کامل بناتے ہیں۔ اور آخرت میں ہمیشہ کے آرام راحت کامل عیش اور دیدار الہٰی سے کامیاب بناتے ہیں۔

سنئے! عمل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان کا تعلق دو قسم کا ہے۔ ایک اپنے خدا سے اور ایک دوسرے لوگوں سے۔ اس لیے خدا سے تعلق کے حکم الگ ہیں ان کو عبادت کہتے ہیں اور بندوں سے یعنی دوسرے لوگوں سے جو تعلقات ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک لین دین، خرید و فروخت، کرایہ، رہن، ہبہ، وصیت وغیرہ یہ معاملات ہیں۔ دوسرے آپس کے برتاؤ یہ معاشرت و اخلاق ہے اس لیے عمل کے قانون عبادتیں، معاملات اور معاشرت یا اخلاق ہیں۔

اسلام کی عبادت

اسلام کی وہ عبادتیں جو نہایت ضروری ہیں یہ ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ان کے علاوہ اور عبادتیں ان کے بعد کے درجہ کی ہیں۔ مختصر بات کے لیے میں صرف انہی کے بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ معلوم کیجیے کہ انسان کو عبادت کرنی کیوں ضروری ہے اور کتنی کرنی ضروری ہے اور کس کس طرح کرنی ضروری ہے تب آپ کو اسلامی عبادات اور دوسرے مذاہب کی عبادات کا فرق معلوم ہو سکے گا۔ ہر عقل مانتی ہے کہ احسان کرنے والے کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ خدا تعالےٰ کا ہم پر بہت ہی زیادہ احسان ہے۔ اس احسان کا شکر ضروری ہے۔ ہم بالکل معدوم تھے اسی نے ہم کو عدم سے وجود بخشا۔ یہ جو کچھ راحت آرام، عیش و عشرت، کمالات وغیرہ ہم میں نظر آتے ہیں۔ سب کی اصلی چیز وجود ہی ہے۔ ہمارا وجود ہی نہ ہوتا تو ان سب سے محروم تھے۔ پھر روح عقل دماغ دل ذہن حافظہ دیکھنے، سننے، چکھنے اور چھونے سونگھنے کی قوتیں ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء، ان کی ساخت ان کی ضروری چیزیں معدہ کی مشینیں اور تمام اندرونی چیزیں اور قوتیں محض انہی کی عطا سے ہیں۔ پھر زمین، آسمان چاند سورج اور ہر وقت کے سانس کے لیے ہوا اور تمام غذاؤں دواؤں اور ضرورت و استعمال کی چیزوں کا پیدا کرنا، سواریوں جانوروں کو تابعدار بنانا احسانات ہیں کہ ہماری زندگی کا کوئی سیکنڈ بھی ہزاروں لاکھوں نعمتوں اور احسانوں سے خالی نہیں ہے مگر ہمارے خمیر کے خاصے ہم کو ایسے محسن سے غافل رکھتے ہیں، مذہب اس غفلت کو دُور کرتا ہے۔

لہٰذا جب ہر وقت میں لاکھوں احسان ہیں۔ تو انسان کو ہر وقت اس کے شکر میں لگنا چاہیے۔ اور شکر صرف زبان سے شکر کر لینے کا نام نہیں۔ شکر کرنا زبان دل اور تمام اعضا کا کام ہے اس لیے ان کا شکر کرنے کے لیے ہر وقت زبان ہاتھ آنکھ دل پیر، ناک، کان، دماغ، عقل وغیرہ ہر چیز کو اس کی عبادت میں لگنا چاہیے ایک سیکنڈ کو بھی ان میں سے کسی کو دوسری طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ لیکن ادھر انسان کو انسانی ضرورتیں اپنے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، رہنے، بسنے، راحت آرام، حوائج ضروریہ وغیرہ بیوی، اولاد، اعزہ، اقربا کی ضروریات معاشی سلسلہ وغیرہ کا تقاضا یہ کہ بہت کچھ وقت انہیں لگایا جائے۔ چونکہ یہ ضرورتیں بھی خالق کی لگائی ہوئی ہیں۔ اس لیے دونوں باتوں کی رعایت ضروری ہے۔ لہٰذا وہ مذہب مذہب کہلانے کا حق دار نہیں جو اپنی ذات اور اپنے تعلق والوں کے حقوق سے ہٹا کر جنگل یا پہاڑ کے کونہ میں بیٹھ کر عبادت میں لگنے پر مجبور کرے۔ اور وہ مذہب بھی مذہب نہیں جو کسی وقت بھی زبانی، دلی اور عملی شکر میں نہ لگائے۔ اب دونوں کو پوری طرح جمع کرنا کہ اپنی جان اور متعلقین کے حقوق اور خالق عالم کا پورا پورا شکر ادا ہو اس سے غفلت نہ ہو یہ خدائی مذہب کا کام ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ عبادتیں ہوں تو خاص خاص وقت میں مگر ایسی ہوں کہ ان کا اثر ہر وقت رہے کہ دنیا کے ضروری کام بھی ہوں مگر خدا سے غفلت میں نہ ہوں۔

نماز

انسان کی زیادہ غفلت کے اوقات یہ ہیں۔

رات بھر سونے میں غافل رہتا ہے اور بغیر سوئے زندگی مشکل ہے۔ اس لیے نیند کا وقت ختم ہوتے ہی اس غفلت کو دُور کرنا ضروری ہے اسلام نماز فجر سکھاتا ہے۔ پھر صبح سے دوپہر تک معاش کے کاروبار میں، کھانے پینے میں وقت صرف کیا جا سکتا ہے۔ ان سے تھک جانے کے بعد پھر غفلت کا اثر ہو جاتا ہے اس وقت کی غفلت کو دُور کرنے کے واسطے پھر کوئی کام درکار ہے۔ اس کے لئے اسلام نماز ظہر سکھاتا ہے۔ پھر وہی کاروبار مشغولیوں کا دور آتا ہے اور دن کے اخیر میں کام کا بہت ہجوم چاروں طرف سے معاملات کے آنے سے مشغولیوں کا گھمسان ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ چار پانچ بجے ہر بازار اور ہر کام میں غیر معمولی لگاؤ اور شور شغب ملتا ہے ان میں لگ کر پھر غفلت ہونا ضروری ہے اسلام اس وقت نماز عصر سکھاتا ہے۔ پھر سورج ڈوبنے تک وہی حال رہتا ہے۔ درمیان میں غفلت دُور کرنے کی ایک صورت آچکنے کے بعد پھر دوسری مشغولیاں غائب ہوتی ہیں۔ دن کا نچوڑ ہوتا ہے۔ ہر کام کی چہل پہل ہوتی ہے، دن ختم ہو جاتا ہے کاموں اور مشغولیوں کا انجام ہوتا ہے۔ اس وقت اسلام نماز مغرب کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد تمام مشغولیتوں اور کاموں کو سمیٹنا، کھانا، پینا یا سیر و تفریح یا ایک کام سے دوسرے کام میں لگنا ہے۔ تمام دن کے کاروبار سے فراغت کر کے راحت آرام کی فکر ہے طبیعت لطف اور سکون کی طالب ہوتی ہے صبح سے اس وقت تک کے احسانات کا بڑا زبردست سلسلہ ختم کو پہنچ رہا ہے۔ اسی لیے راحت و سکون کے فکر سے جو غفلت پیدا ہو اس کو دور کرنا چاہیے اسلام نماز عشاء بتاتا ہے۔

پھر نماز کی حالت پر غور کیجیے کہ احسان کا شکریہ یہی نہیں ہے کہ زبان ہی زبان سے کچھ عرض کر لیا جائے بلکہ زبان سے دل سے ظاہر کے ہر ہر عضو سے پوری بندگی ہو۔ ہاتھ حکم میں بندھے ہوں، پاؤں چلنے سے رُکے ہوئے حکم پر جمے ہوں۔ انگلیاں تک ادھر متوجہ ہوں۔ جسم عاجزی انکساری سے حاضر ہو، نظر جھکی ہو، کان، آنکھ، ناک سب کام میں ہوں، ہر طرف سے رُکے ہوئے دل ہر چیز سے ہٹ ہٹ کر پوری عاجزی اور بندگی سے جھکا ہوا ہو۔ سب خیالات کو ختم کر کے صرف ایک خدا کے تصور سے بھر رہا ہو سامنے حاضر ہو، باتیں کرنے کے مزے لے رہا ہو۔ جسم اپنی محتاجی اور بے قراری میں کھڑا ہوتا

جھکتا اور سر ٹیک ٹیک دیتا ہو۔ زبان ہے کہ شروع سے آخر تک پوری کوشش سے شکر و حمد میں لگی ہو مادہ اور عناصر سے جو ظلمت و کدورت پیدا ہوئی تھی وہ اس طرح خدائی نور کے سخت تصورات سے کاٹ کاٹ کر رکھ دی گئی۔ ان کے اثرات سے جو ہر قوت بے قابو سی ہو رہی تھی اس کو اس طرح روک تھام کر کے ہر غیر سے ہٹا کے قابو میں کر کے خدا کی طرف لگا دیا تاکہ ان کی قوتوں کی پیدائشی حکمتیں قاعدوں میں حاصل ہو سکیں اور بے قاعدگی کو روک دیا جا سکے۔ دن رات میں پانچ دفعہ یہ روح دل قویٰ کی روک اور ایمان کی ورزش انسان کو بالکل کندن بنانے والی اور بالکل خدا کا کر دینے والی ہے۔

روزہ

سال بھر میں ایک بار ایک ماہ تک ان کی خواہشات کو جس کی وجہ سے انسان تمام تر خرابیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک طویل وقت تک روک روک کر قابو میں کیا جاتا ہے۔ وہ خواہشیں کھانے پینے اور جنسی کیفیت کی ہیں۔ انہی خواہشوں کی زیادتی اور بے قابو ہونے کی وجہ سے انسان تباہیوں میں پڑتا تھا۔ سود، رشوت، چوری، ڈاکہ، بدمعاملگیاں بدمعاشیاں وغیرہ سب انہی خواہشوں کے بے جا ہونے سے ہوتی ہیں ان کو روزانہ پانچ وقت کچھ کچھ دیر کے لیے اور ہر سال ایک ماہ تک روکنے کی ورزش و مشق سے قابو میں لا کر تمام خرابیوں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ پھر انسان کی صحت کا مدار معدہ کی اصلاح پر ہے۔ اس ماہ میں معدہ کی بھی سال بھر کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ

بخل و کنجوسی انسان کو بڑے درجے حاصل کرنے سے روکتی ہے، مادہ کی خاصیتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ نادار کے پاس تو کچھ ایسا ہوتا ہی نہیں جس پر وہ سخاوت یا کنجوسی کر سکے۔ اس لیے نادار سے ذرا آگے کے درجہ کے مالداروں اور بڑے بڑے مالداروں کے لیے موجودہ اور ضرورت سے ایک ایک سال تک زائد رہنے والے مال پر چالیسواں حصہ خیرات کرنا ضروری ہے۔ اس طرح انسان اس بخل کے مادہ سے بھی نکلتا ہے جو بھاری بھی نہیں ہوتا۔ غریبوں اور ناداروں کی پرورش کا ذریعہ بھی بنتا ہے جو خرچ کرنے سے حرص و لالچ کی جڑ کٹ کر درست ہوتا ہے۔ ہمدردی و ایثار حاجت مندوں کی ضرورتوں کا احسان ہو کر آدمی آدمی بنتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

★

عصرِ حاضر کا مسلمان اور اسلام

محمد عثمان الوری، کراچی

مذہب اسلام اپنی حقانیت کا صداقت کا لوہا ہر متعصب اور حاسد سے منوا چکا ہے۔ دیار مغرب یا احصار مشرق، مستشرقین ہوں یا مستغرب ہیں۔ اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اور عالمگیری مسائل کا حل شعبۂ زندگی سے متعلق جملہ واقعات کی مکمل رہبری اور رہنمائی سے ہر فرد مذہب اسلام کا صدق دل سے معترف ہو جاتا ہے۔ لیکن پورے عالم اسلام میں مسلمان مملکتوں میں خود مسلمان ہی اپنے دین سے بیگانہ ہے۔ تمام معاملات میں وہ غیروں کی تقلید میں مبتلا ہے۔ خورد و نوش سے لے کر معاشی اور سیاسی معاملات میں بھی وہ غیروں کا دستِ نگر ہو کر رہ گیا ہے۔ ان کی وجوہات کیا ہیں؟ کبھی ہم نے اس پر غور بھی کیا؟

درحقیقت مسلمانوں کی ترقی کا راز اسلام کی تعلیمات میں مضمر ہے اور یہی ان کے لیے دارین میں فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے۔ دیگر اقوام کی ترقی اور خوشحالی کا راز ان کے خود ساختہ اصولوں، عوام کے مطالبات اور ان کی خواہش کے مطابق نظام مملکت کی تشکیل سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج لادین ممالک دنیاوی ترقی کر رہے ہیں۔ اور لادین ہی اپنی شاطرانہ چالوں سے دنیا میں اپنی بین الاقوامی عظیم قوت تسلیم کرا چکے ہیں۔ لیکن ایک ایسی قوم جس کے پاس تمام عالم کی تسخیر اور اعلیٰ مقاصد میں ان کی ہی نہیں بلکہ اپنی تعلیمات پر منحصر دور میں کامیابی اور کامرانی کا نسخۂ حیات و نجات موجود ہے اور وہ اس طرح بے وقعتی اور بے بسی کے عالم میں ہر جگہ کمزوری اور مجبوری سے دوچار ہے۔ اس نے تمام اعلیٰ اوصاف کو نظر انداز کر دیا اور اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں کو فراموش کر دیا۔ بلکہ آج اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ لوگ ان کو اپنے ملک میں پناہ دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ موجودہ مسلمان تہذیب و معاشرت کے لحاظ سے عجیب کردار پیش کر رہا ہے۔ فرنگی تہذیب، ہندو معاشرت، یہودیانہ سیاست سے متاثر نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ماضی کا شاندار دور بھی ہمارے سامنے ہے جب نصف کرۂ ارض پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ ایجادات اور نئے علوم و فنون کی بنیاد بھی مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے تکمیل پا رہی تھیں۔ دراصل ان میں ایک ہی شئے ایسی تھی جو ان کی فتوحات اور بلندی کا راز شمار کی جا سکتی ہے اور وہ اسلام کے لیے اپنی جان عزیز کی عظیم قربانی کی سنت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ان کے رعب و دبدبہ سے حکومتیں خراج عقیدت پیش کرتی تھیں بلکہ ان کے اخلاق اور کردار کو دیکھ کر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے تھے۔ درحقیقت برکات اسلام ہی کی تھیں۔ اور ان اسلاف کی عظیم قربانیاں تھیں۔ ان اکابر کا اسلام پر بلاشبہ احسان تھا لیکن ۲۵ سال سے اگر ہم بغور حالات کا مشاہدہ کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہم اسلام کی حفاظت نہیں کر رہے بلکہ ہماری حفاظت اسلام کر رہا ہے۔ آج کے دور میں اسلام صرف زبانی رہ گیا ہے جو صرف نمائشی ہے اور نعرہ بازی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ آج اسلام کے مقدس نام سے دنیا میں ممالک اپنے وجود کو باقی رکھے ہوئے ہیں اور ملک کی سیاسی و دینی جماعتیں اسلام کے نام پر پنپ رہی ہیں۔ حزب اختلاف اور حزب اقتدار بھی اسلامی ممالک میں اسلام کو صرف اپنے تحفظ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں اور یہی بہت بڑی اسلام کی برکات ہیں۔ موجودہ زمانے میں ورنہ اگر ہم اسلام کے نام کو بھی خیرباد کہہ دیں تو ہمارا بھرم کھل جائے کہ کیسے مسلمان ہیں۔

کاش ہم حقیقی طور پر اسلامی تعلیمات کو اپنا لیں تو ماضی کی طرح وہی عروج اور ترقی ہمیں دوبارہ حاصل ہو سکتی ہے جو ہمارے اسلاف سے ہمیں ورثہ میں ملی تھی۔

اللہ سے بغاوت

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَاِنْ قُتِلْتَ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا اگرچہ تیری جان ہی کیوں نہ چلی جائے ؎

شرک رب کے ساتھ نہ کرنا کبھی !
گرچہ تیری جان تک جائے چلی !

★

اسلام میں سزائے ارتداد کا مسئلہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

تحریر:- وقار انبالوی

ترک وفاداری وطن کی سزا موت، اور ترک اسلام پر کوئی باز پرس نہیں

بلاشبہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی اس کا رخ طبعاً مستقبل کی طرف رہتا ہے اور کوئی فرد یا قوم محض ماضی کی مرثیہ خوانی سے اپنے مستقبل کو تابناک نہیں بنا سکتی لیکن مستقبل کی طرف بڑھتے وقت اگر ہم ماضی کے تلخ تجربات کو نظر میں نہ رکھیں تو تابناک مستقبل کی راہ بھی ہموار نہیں ہو سکتی۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۳ء تک ہمارے ماضی میں کوئی قابلِ قدر کارنامہ تو کجا ہمیں کوئی ایسی بات بھی نظر نہیں آتی جسے ہم اس قوم کے شایانِ شان ہی کہہ سکیں جو لانبی بعدی کے ارشاد کے بعد لا قوم بعدی کی دعویدار ہو۔ مادی نقصانات کی فہرست ہر چند طویل ہے لیکن نظر انداز کی جا سکتی ہے کیونکہ ان کے مقابلے میں ہم جو روحانی اور اخلاقی نقصانات برداشت کر چکے ہیں وہ ناقابلِ تلافی ہیں مثال کے طور پر جب قدرت نے ہم کو ایک وسیع اور آزاد سلطنت کا مالک بنایا جو دنیا بھر میں پانچویں درجہ پر تھی۔ اور عالم اسلام میں سب سے بڑی مملکت ہونے کی وجہ سے عالم اسلام کی نگاہوں کا مرکز تھی اس وقت اس ملک میں منکرینِ خدا باغیانِ دین اور آخرت کا مذاق اڑانے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی اور چونکہ بانی پاکستان حضرت قائدِ اعظم انہیں ملک و ملت کا ففتھ کالم قرار دے چکے ہیں اس لیے پوری قوم نہ صرف ان کی طرف سے چوکس تھی بلکہ خود ایسے لوگوں کو بھی جرأت نہ تھی کہ وہ اعلانیہ کچھ کہہ سکیں یا کر سکیں ان کی تمام سرگرمیاں خلقِ خدا کی نگاہوں سے اوجھل تھیں لیکن آج ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پاکستان کی آبادی کا تیس فی صد ہیں وہ اپنے اقوال و اعمال میں اب کوئی خوف و ہراس محسوس نہیں کرتے۔ کھلے خزانے اپنے عقائد کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ملی اہمیت کے دنوں کے مقابلے میں اپنے کفر و الحاد آمیز یوم بھی بڑے ٹھٹے سے مناتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ذرا مذہبی دوائر پر نظر ڈالیے آزادی کے وقت ہمارے ملک میں اہل کتاب عیسائیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے کم تھی آج ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور ترغیب و تحریص کے شکم پرور ذرائع کی وجہ سے ان کی تعداد ۲۸ لاکھ سے اوپر ہے اور یہ اقرار کرنا بالکل صحیح ہو گا کہ وہ لوگ بھی جو خدا اور دینِ خدا کے دشمن ہیں باہر سے نہیں آئے کسی نے درآمد نہیں کیے اور وہ لوگ بھی جو خدا اور کسی دین پر اسلام کے سوا یقین رکھتے ہیں ان کی افزائش اور تعداد میں زیادتی بھی انہی لوگوں میں سے ہوئی ہے جو دنیا کی آخری اور بہترین قوم کے افراد ہونے کے دعویدار ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ان کا ضابطۂ حیات دنیا کا آخری اور بہترین ضابطۂ حیات اور بنی نوعِ انسان کے لیے فلاحِ دارین کا ضامن ہے۔

ان حالات میں مسلمان اہلِ فکر و نظر کے سوچنے اور کہنے کی کوئی بات ہو سکتی ہے تو یہ کہ مسلمان اپنے دین سے تمسک رکھیں۔ ان کو ہر قسم کی تحریص و ترغیب سے بچا کر صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھنے کی مساعی بروئے کار لائی جائیں تاکہ من حیث القوم اب تک جو روحانی نقصان اٹھا چکے ہیں اس کی روک تھام بھی ہو سکے۔ اور ممکن ہو تو اس کی تلافی کا بندوبست بھی ہو جائے لیکن ایسے میں اگر کسی بلند مقام سے یہ آواز اٹھے اور خاکم بدہن قرآن و سنت کے حوالے سے اٹھے کہ ترکِ اسلام (ارتداد) کی خود اسلام نے اپنے ضابطۂ فکر و قانون میں کوئی سزا مقرر نہیں کی تو سوچیے کہ اس سے وہ نقصان زیادہ ہو گا یا کم ــــ؟ اس کی روک تھام ہو گی یا اس کا دائرہ اثر بڑھتا جائے گا اس کی تلافی کا کیا ذکر اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ تو ہر درد دل رکھنے والا مسلمان بتائے یہ آواز اسے گوارا ہو گی؟ ایک دشمنِ اسلام نے ان دنوں جبکہ ہم غلام و بے بس تھے ہمارے آقا و مولا کے کردار پر حملہ کیا تھا لیکن آج کہ ہم آزاد اور خود مختار ہیں ہمیں یہ سن کر کتنا دکھ پہنچے گا کہ کسی دشمن نے نہیں بلکہ ایک صاحب حیثیت ماہر اور علم و فضل سے بہرہ ور مسلمان نے یہ آواز بلند کی ہے کہ ارتداد کی اسلام میں کوئی سزا نہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر کی جو حکومت کی مالی سرپرستی سے قائم ہے پاکستان کے سابق چیف جسٹس ایس اے رحمان صاحب کی ایک کتاب انگریزی زبان میں شائع کی گئی ہے جس کا نام پنشمنٹ آف اپاسٹیسی ان اسلام (اسلام میں سزائے ارتداد) ہے اس کتاب کی اشاعت سے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ مشن کو جس طرح نشانۂ استہزاء بنایا گیا ہے وہ رسوائے زمانہ کتاب رنگیلا رسول سے بدرجہا زیادہ دل آزار اور نتائج کے اعتبار سے ہولناک ہے۔ کیونکہ اس کتاب کی اشاعت نے نہ صرف دینِ اسلام کی بے قدری کی ایک سند غیر مسلموں کے ہاتھ میں دیدی ہے بلکہ جس بنیاد پر پاکستان قائم ہوا تھا اس بنیاد کو بھی ڈھا دیا ہے جب مصنف کے نزدیک اسلام نعوذ باللہ ایک ایسا بے حقیقت دین ہو جس سے انحراف کی کوئی سزا نہ ہو تو اس دین کے تقاضوں کی تکمیل پر مبنی بجائے خود پاکستان کی کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے اسلام میں ارتداد کی کوئی سزا نہ ہو تو بات صاف ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے گی بنسری۔

ہم نہیں سمجھ سکے کہ ہماری موجودہ قومی و ملکی مصیبت کے دنوں میں اس کتاب کی اشاعت سے کس کی خدمت مقصود ہے؟ دنیا میں بڑھتے ہوئے کمیونسٹ اثر و نفوذ کی؟ یا عیسائی مشنریوں کی؟ اگر آپ جسٹس رحمان کو زیادہ سے زیادہ رعایت دے سکیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فیصلہ کرنے اور سنانے کی عادت پک کر طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ پہلو تو یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ذہن میں ایک مقصد متعین کرکے اپنے مطلب کی آیات کا سہارا لیتا ہے اور قرآنی مقاصد کو نظر انداز کرکے صرف اپنے مقاصد کی صداقت پر زور دینے کے لیے بعض آیات کو من مانے معنی پہناتا ہے اکثر تفسیر لکھنے والوں نے یہی کیا ہے اور اسی ایک بات کا مصنف کو کہنا پڑا۔ کل فی التفسیر الا التفسیر لیکن اس صورتحال کی نشاندہی حضرت علامہ اقبال نے زیادہ وضاحت کے ساتھ کی ہے۔ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جو کبھی کے علمائے حق نے سامنے رکھا اور قرآن پاک سے استنباط مسائل قرآنی مقاصد کے پیشِ نظر ان کا معمول رہا جسٹس رحمان نے لا اکراہ فی الدین کو جو معنے پہنائے ہیں جو قرآن کا سہارا لے کر اپنی بات کی دھن میں کہتے ہیں اگر لا اکراہ فی الدین کے وہی معنی لیے جائیں جو مصنف کتاب نے لیے ہیں تو پھر دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اسلام کی فضیلت کیا رہ جاتی ہے صراطِ مستقیم اور غیر صراطِ مستقیم میں کیا فرق رہ جاتا ہے کوئی کس منہ سے یہ دعوےٰ کر سکتا ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے جو کل بنی نوعِ انسان کے لیے تا قیامت صلاح و فلاح دارین کی ضمانت مہیا کرتا ہے اور بجائے خود آیتِ کریمہ جس میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لیے اسلام کو مکمل کیا۔ اور میں اس دین سے راضی ہوا اس کا کیا مفہوم سمجھ میں آتا ہے؟ ہم نے تو ایک مفسر کو لا اکراہ فی الدین کی یہ تفسیر بھی کرتے سنا ہے کہ دین کے معاملے میں جتنی سختی کی جائے سختی نہیں سمجھی جائے گی۔ وہ مفسر صاحب ایک انتہا پر تھے جسٹس رحمان دوسری انتہا پر کہ دین کے معاملے میں سختی ہی کوئی نہیں جونسا دین چاہو اختیار کر لو۔ جی چاہے تو مرتد ہو جاؤ ؎

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

اصل مسئلہ کے فقہی پہلو پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فقہی احکام کے نفاذ کا زمانہ تمکن فی الارض کے

بعد خدا اور اس کا رسول مسلمانوں سے کیا توقع رکھتے ہیں ؟ اس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے اگر کوئی شخص تمکن فی الارض کے بعد اسلامی حکومت سے بغاوت کرتا ہے اس کے احکام سے روگردانی کرتا ہے اور سرتابی کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ارتداد ان گناہان کبیرہ و صغیرہ کی ذیل میں نہیں آتا جن کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ اگر بیخبری کی وجہ سے تم سے کوئی عمل بد ہو جائے اور تم اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرو تو اللہ غفور و رحیم ہے لیکن قتل اور فتنہ میں بے خبری کا کیا کام ؟ اس میں تو قاتل اور فتنہ طراز کے ارادہ اور نیت کا دخل ہوتا ہے اس لیے قتل کی تعزیر بھی قصاص ہے اور فتنہ جو اس سے بڑھ کر ظاہر ہے اس کی تعزیر میں کوئی نرمی روا نہیں رکھی جا سکتی۔

اگر مصنف کتاب کی نظر میں سورۂ آل عمران کی وہ آیت ہوتی جس میں مرتد کی توبہ کے بارے میں نص قطعی وارد ہوئی ہے کہ مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوتی تو ان کو سوچنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ عربی میں بھی حرف نفی ہیں لیکن اس آیت میں جو حرف نفی وارد ہوا ہے وہ نفی ابدی کے لیے آتا ہے جب واجب التعزیر گناہوں کے لیے توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا اور مرتد پر توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہو تو اس سے ارتداد کی سنگینی اور ناقابل معافی حیثیت میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اور جو شخص اسفل السافلین کی حد کو پہنچ جائے کہ وہاں سے واپسی ممکن ہی نہ ہو ایسا شخص اس معاشرہ میں کیونکر کھپ سکتا ہے جسے انتم الاعلون کی بشارت دی گئی ہو اور وہ معاشرہ ایسے انسان کا وجود کیسے برداشت کر سکتا ہے جس پر توبہ کا دروازہ بند ہو اور وہ ہمیشہ کے لیے مردود قرار دے دیا گیا ہو لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے مصنف کا مقصد قرآنی مقاصد کو سامنے رکھ کر مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا نہیں تھا بلکہ وہ پہلے سے ذہن میں یہ طے کر چکے تھے کہ اسلام نے ارتداد کے لیے کوئی سزا مقرر نہیں کی اس لیے جہاں جہاں انہیں مطلب کی بات نظر آئی قرآن، سنت اور فقہ کو انہوں نے اپنے حصول مقاصد کا ذریعہ بنا کر صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ اسلام میں ارتداد کی کوئی سزا نہیں ہے بحیثیت جج انہوں نے کبھی ہندوؤں کے جائنٹ فیملی سسٹم پر ضرور غور کیا ہوگا۔ کہ اگر کوئی شخص مذہب بدل دے تو وہ تمام حقوق معاشرت و وراثت سے محروم ہو جاتا ہے لیکن اسلام کو انہوں نے اس سسٹم سے بھی کمزور اور حقیر سمجھا یہ اتفاقات ہیں۔ زمانے کے یہاں ایک بات اور ملحوظ رکھیے کہ آج جس طرح سیاسی پارٹیاں وجود میں آتی ہیں اور ان میں سے جو پارٹی برسر حکومت آ جائے وہ حکومت حاصل کرنے سے پہلے ایسے مراحل سے گذرتی ہے جہاں وہ اپنے احکام نافذ نہیں کر سکتی بلکہ اپنے انتخابی منشور پر حلف لینے کے بعد وہ حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہے اسی طرح آنحضرت کی حیات طیبہ کے بھی دو حصے ہیں ایک مکی زندگی اور دوسرا مدنی زندگی۔ مکی زندگی میں اگر کوئی شخص مرتد ہوا اور اسے سزا نہ دی جا سکی تو یہ بالکل قدرتی سی بات تھی کیونکہ اس وقت حزب اللہ کا کام محض تبلیغ و ترغیب تک محدود تھا ابھی تمکن فی الارض کی منزل دور تھی۔ لیکن تمکن فی الارض کے بعد اس دین سے انحراف اس نظام حیات سے بغاوت جو بے نظیر و بے مثال ہے کس طرح روا رکھا جا سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد و قتال ضروری سمجھا جو دین اسلام سے تو منحرف نہیں ہوئے تھے بلکہ زکوٰۃ کے بارے میں صرف اتنا چاہتے تھے کہ وہ جس قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کریں اسی قبیلے میں خرچ کریں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے یہ جزوی انحراف بھی گوارا نہ کیا اور ایسے لوگوں کے خلاف مہم بھیجی کہ یا تو وہ زکوٰۃ مرکز کو ادا کریں یا ان کے خلاف جہاد و قتال کیا جائے ! اگر جزوی انحراف کی سزا قتل ہو سکتی ہے تو ارتداد کی سزا میں کیا شک لایا جا سکتا ہے۔

اس کتاب میں جن لوگوں کی امداد کا اعتراف کیا گیا ہے ان میں دو نام ایسے بھی ہیں جنہیں پڑھ کر صحیح العقیدہ مسلمان کا عقیدہ متزلزل ہے پھر حوالہ جات کے لیے جن بھاری بھرکم کتب کا حوالہ دے کر قاری پر رعب ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اصل کتاب میں ان کے واضح حوالے بہت کم ہیں اور بعض حوالے تو مغربی مستشرقین کے بھی ہیں مقام فکر ہے کہ جن دنوں ہمارا آئین زیر تکمیل تھا۔ ان دنوں اس کتاب کی اشاعت اس امر کے سوا اور کیا معنی رکھتی ہے کہ ایک اسلامی ملک کے آئین سے سزائے ارتداد کی دفعات کو خارج کرانے کی کوشش کی جائے یا سرے سے آئین میں ایسی کوئی دفعہ ہی نہ رکھی جائے جسٹس رحمان کی مفکرانہ حیثیت کیا پاکستان میں کوئی تسلیم کرے گا لیکن ان کے اس مقام بلند سے غیر ملکی کیسے انکار کریں گے جو روشن لاز کی بدولت انہیں پاکستان میں حاصل ہوا۔ ہر دشمن اسلام ان کی کتاب سے سند لا کر ہر سادہ لوح مسلمان کو اسلام سے انحراف کی ترغیب دے سکے گا، کہ دیکھو تمہارا ہی ہم قوم اور ہم وطن جو غیر معمولی حیثیت کا مالک ہے یہ کہتا ہے کہ ترک اسلام پر تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ دکم از کم تمہیں جان کا کوئی خطرہ نہیں ! اسلیے ہمارے دین میں آجاؤ۔ یا ہماری طرح دین سے بے پرواہ ہو جاؤ۔

اس کتاب میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے نقطہ نظر سے بھی اختلاف کیا گیا ہے اور جن حلقوں میں مودودی صاحب ناپسندیدہ شخصیت سمجھے جاتے تھے انہیں سب ہی جانتے ہیں لیکن مودودی صاحب سے اختلاف اور بات ہے اور ان کی دشمنی میں یہ غلو کہ خدا اور دین خدا کی دشمنی تک بھی اختلاف کو پہنچایا جائے کسی سلیم الطبع انسان کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ خود راقم الحروف کو مودودی صاحب کی سیاسی جدوجہد سے اختلاف ہے لیکن دینی معاملات میں ان کی سوجھ بوجھ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے اگر ہم بھی اس اختلاف کو اس حد تک لے جانا جہاں بجائے خود اسلام معرض استہزا میں آجائے کسی کی سمجھ میں آسکے گا۔

موجودہ حکومت کا دعوے ہے کہ آئین میں اس دعوے کی دلیل موجود ہے کہ ہمارا دین اسلام ہے اور پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ اگر یہ دعوے حقیقت پر مبنی ہے تو اس کتاب کے ناشر ادارہ اور مصنف سے حکومت کو باز پرس کرنی چاہیے اور ممکن ہو تو کتاب کو ضبط کرنا چاہیے۔ یہ کم از کم سزا ہو سکتی ہے ورنہ اس فتنہ کی سزا تو ظاہر ہے کہ سخت سے سخت سزا ہونی چاہیے ! علمائے حق سے فیصلہ کرانا چاہیے کہ اس فتنہ کی کیا سزا ہو۔

یہ کتاب اس لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے کہ انگریزی خواندہ طبقہ میں معدودے چند لوگوں کو چھوڑ کر اسلام کے بارے میں کوئی زیادہ خوش فہمی نہیں ہے ضرورت اس امر کی تھی کہ انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کو رحمۃ للعالمین کے دین کے بارے میں یہ سمجھایا جائے کہ یہ دین سراپا رحمت ہے لیکن یہ کتاب ان لوگوں کے لیے اور بھی ایک سہارا اس بات کا بنے گی کہ وہ اسلام کی رہی سہی قدر و قیمت سے بھی انکار کر دیں یہ فرض ان علمائے کرام کا ہے جو انگریزی زبان سے واقفیت کے علاوہ دینی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں کہ اس قسم کے فتنوں کا سد باب کریں۔

قرآن پاک نے ایک بڑا دلنواز منظر سورہ فتح کی اس آیت کریمہ میں دکھایا ہے کہ یدخلون فی دین اللہ افواجا لیکن جسٹس رحمان کی کتاب سے جو متوقع منظر سامنے آ سکتا ہے وہ اس کے بالکل برعکس (خدانخواستہ) کچھ یوں ہوگا کہ یخرجون من دین اللہ افواجا۔ اللہ تعالے مسلمانوں کو اپنے حفظ و اماں میں رکھے۔

کتاب کے آخر میں مصنف نے اقلیتوں کے بارے میں حضرت قائد اعظم کے جن ارشادات کا حوالہ دیا ہے وہ قطعاً غیر متعلق ہیں اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ ارتداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارتداد اپنی جگہ مسلمانوں کا ایک داخلی مسئلہ ہے اسے اقلیتوں کے حقوق و مراعات سے وابستہ کرنا بجائے خود یہ سوچنے کی دعوت دیتا ہے کہ مصنف کا اصل مقصد کچھ اور ہے ہمیں نیت پر شبہ کرنے سے بچنا چاہیے لیکن فیصلہ کی غلطی پر نہ ٹوکنا بھی ایک طرح کوتاہی دین سے مجرمانہ غفلت کہلائے گی۔

بقیہ: — قرآن فہمی پر ایک نظر

عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ہم نے جو نصف صدی مرزائیت کے خلاف دھواں دار تقریریں کرنے میں صرف کی ہے مرزائیت کا علاج تقریریں نہیں بلکہ مدعیان نبوت کا علاج وہی ہے جو خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کذاب کا کیا تھا۔

زیادہ کیا لکھوں۔ میں تو دن رات اب یہی دعا کیا کرتا ہوں کہ الٰہی ! پاکستان کو بھی کوئی کرنل قذافی عطا فرما دے جو تیرے دین کو سربلند کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دے اور قوم کو بھی بزور صراط مستقیم پر چلا دے۔ آمین

لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی رح

۱۴ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ ۱۲ مئی سنہ ۷۳ء پنجشنبہ کی صبح، مولانا علی میاں کے نام مولانا محمد عمران خانصاحب کا بھوپال سے دیا ہوا تار پہنچا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ "افسوس! حضرت صاحب کا وصال ہوگیا"۔

یہ بھوپال کے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی اطلاع تھی۔ چونکہ کسی علالت کی کوئی اطلاع پہلے سے نہیں تھی اس لیے کئی دن تک انتظار رہا کہ کچھ تفصیل کسی ذریعہ سے معلوم ہو۔ لیکن کہیں سے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ پانچویں دن خود مولانا محمد عمران خانصاحب لکھنؤ تشریف لائے تو موصوف ہی سے تفصیل معلوم ہوئی

عام دستور کے مطابق اپنے تاثرات کے اظہار سے بہتر اور ناظرین کے لیے زیادہ مفید یہی معلوم ہوا کہ واقعہ وفات کی تفصیل ہی نذر ناظرین کر دی جائے جو مولانا محمد عمران خاں صاحب سے معلوم ہوئی ہے۔

اگرچہ حضرت علیہ الرحمۃ کی عمر قمری حساب سے قریباً ۸۰ سال اور شمسی حساب سے قریباً ۷۸ سال تھی اور جسمانی طور پر بہت لاغر اور نحیف بھی تھے لیکن ضعف پیری کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، روحانی قوت نے جسم کو بھی چاق و چست بنا رکھا تھا، علاوہ اپنے خاص اشغال و اوراد اور معمولات کے جن میں دن رات کے اوقات کا بڑا حصہ مصروف رہتا تھا مجلس میں گھنٹوں مسلسل تقریر فرماتے تھے۔ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مرتب کیے ہوئے حضرت کے مجلسی ملفوظات جو "الفرقان" میں گذشتہ تین سالوں سے شائع ہوتے رہے ہیں ان میں بھی مولانا موصوف نے حضرت کی اس غیر معمولی کیفیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ادھر کئی مہینے سے عام و خاص گفتگوؤں میں مسلسل اس کا اظہار فرماتے تھے کہ مجھے نوٹس مل چکا ہے۔ جانے کا وقت بہت قریب آگیا ہے بلکہ فرماتے تھے کہ زندگی کا وقت ختم ہو چکا ہے، میں اب موت میں چل رہا ہوں گذشتہ مہینے میں مولانا علی میاں بعض رفقاء کے ساتھ ایک دن کے لیے بھوپال حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے حضرت علیہ الرحمۃ کی مجلس میں یہ مولانا کی آخری حاضری تھی اس مجلس کے ملفوظات مولانا موصوف نے حضرت کے وصال سے صرف ہفتہ عشرہ پہلے الفرقان میں اشاعت کے لیے دیئے تھے چنانچہ وہ شائع کر دیئے گئے۔ اس کے آخری ملفوظ میں بھی پوری صراحت کے ساتھ حضرت نے اپنے بارے میں یہی اطلاع دی تھی اور بھی مختلف ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس آخری دور میں اس احساس ویقین کا اتنا غلبہ تھا کہ قریب قریب ہر مجلس میں اس کا اظہار فرماتے تھے۔

مولانا محمد عمران خانصاحب نے بتایا کہ قریباً دو مہینے پہلے حضرت کی طبیعت چند روز کچھ ناساز رہی تھی ہاتھ پاؤں پر کچھ ورم ہو گیا تھا جو علاج سے جاتا رہا تھا لیکن اس کے بعد سے جسمانی ضعف بہت بڑھ گیا تھا، سہارے کے بغیر اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے، مگر نماز بالکل اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح ہمیشہ پڑھا کرتے تھے دیکھنے والوں کو اس میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ البتہ مسجد شریف نہیں لے جا سکتے تھے گھر ہی پر جماعت ہوتی تھی۔ اس شدید ضعف کے زمانہ میں بھی معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، بے خوابی کی شکایت ہو گئی تھی اس لیے رات کو نیند بہت دیر سے آتی تھی، لیکن ہمیشہ معمول کے مطابق تہجد کے لیے اپنے وقت پر اٹھ جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو وقت سونے کا ہے اس وقت تو نیند نہیں آتی، اور جو وقت سونے کا نہیں جاگنے کا ہے اس وقت آتی ہے، تو میں اس کو پاس نہیں آنے دیتا۔

روزانہ کا معمول تھا کہ فجر کے بعد اشراق تک مصلے ہی پر اذکار و اوراد میں مشغول رہتے، اشراق پڑھ کے خانقاہ تشریف لے آتے اور کسی کو ساتھ بٹھا کے پہلے قرآن مجید کے چار، پانچ پارے سناتے، سننے والے صاحب اگر حافظ ہوتے تب بھی حضرت کے حکم کے مطابق قرآن مجید میں دیکھ کے سنتے اس کے بعد گویا مجلس شروع ہو جاتی سب سے پہلے ایک دو رکوع کے بقدر قرآن مجید تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ سناتے اس کے لیے مولانا فتح محمد صاحب جالندھری مرحوم کا ترجمہ سامنے رہتا اسی سے پڑھ کر سناتے اس کے بعد کسی اردو تفسیر ذاکثر احسن التفاسیر سے جو اردو کی بہت اچھی تفسیروں میں سے ہے کچھ پڑھ کر سناتے اور اسی ترجمہ اور تفسیر کے سلسلہ میں جو کچھ ذہن پر وارد ہوتا اس کو درمیان میں فرماتے چلتے۔ اس کے بعد حدیث کی کتاب زیادہ تر مشکوٰۃ شریف سے کوئی دوسرے صاحب پہلے حدیث کا عربی متن پڑھتے اور حضرت کتاب ہی سے اس کا ترجمہ خود پڑھ کر سناتے اس کے بعد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات میں سے کوئی مکتوب پڑھ کر سناتے اور کوئی دوسرے صاحب مکتوبات کے مطبوعہ اردو ترجمہ سے اس کا ترجمہ پڑھ کر سناتے اور حضرت کو جو کچھ فرمانا ہوتا وہ فرماتے۔ پھر حاضرین مجلس کے احوال اور ان کی سطح کا لحاظ فرماتے ہوئے اس طرح کے حقائق و معارف بیان فرماتے جس کا نمونہ "یک دو ساعت صحبتے با اہل دل" کے زیر عنوان مولانا علی میاں کے مرتب کردہ ملفوظات میں ناظرین الفرقان پڑھتے رہے ہیں۔

یہ سب روز مرہ کا معمول تھا اور بس یہی حضرت کی مجلس تھی اکثر دس، گیارہ بجے یہ سلسلہ ختم ہوتا تھا اتوار کے دن حاضرین کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی تھی اس آخری دور میں چار پانچ سو تک پہنچ جاتی تھی اسی دن ارشادات کا سلسلہ بہت طویل ہو جاتا اور مجلس کبھی کبھی بارہ بجے کے بعد ختم ہوتی۔

آخری اتوار ۶ مئی سنہ ۷۳ء کو مجلس اور زیادہ طویل ہوئی اور اس دن بار بار اس کا اظہار فرمایا کہ میرا وقت بالکل قریب آگیا ہے اس سلسلہ میں ایک خاص والہانہ کیفیت کے ساتھ عارف رومی کے یہ اشعار بھی پڑھے ؎

اے چہ خوش باشد کہ سوئے شہ روم
وز اصل درگاہ آں بیچوں شوم
وقت آمد کہ جہاں بیکسی
پائے کوباں سوئے بام او رسی

اس کے بعد پیر اور منگل کو بھی بالکل اپنے معمول کے مطابق مجلس ہوئی۔ بدھ کے دن بھی جو حضرت کے وصال کا دن ہے، روزمرہ کی طرح مجلس ہوئی۔ بلکہ اس دن صبح کو قرآن مجید روزمرہ کے معمول سے بہت زیادہ قریباً دوگنا سنایا دوسرے معمولات ترجمہ قرآن، تفسیر و حدیث شریف میں بھی کچھ زیادتی رہی اور حضرت گیارہ بجے کے بعد خانقاہ سے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ بہت خفیف سا کھانا تناول فرمایا۔

گھر میں ایک الماری ہے جس میں حضرت اپنی کچھ خاص پسندیدہ چیزیں محفوظ رکھتے تھے اور وہ ہمیشہ بند رہتی تھی سب سے چھوٹی صاحبزادی صاحبہ کو بلایا اور وہ الماری کھلوائی ان سے فرمایا جو چیزیں تم ان میں سے لینا چاہو لے لو۔ انھوں نے کچھ چیزیں نکال لیں اور معمول کے مطابق الماری کو بند کرنا چاہا تو فرمایا اب اس کو بند نہ کرو کھلی رہنے دو۔

پھر صاحبزادے سعید میاں اور میاں مصباح الحسن سے کچھ باتیں فرماتے رہے پھر قیلولہ کی نیت سے لیٹ گئے دو اڑھائی بجے کے قریب اٹھ کر ظہر کی نماز ادا فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ یہاں تک کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا طبیعت میں گھبراہٹ ہے پھر اٹھ کر غسل خانہ میں تشریف لے گئے وہاں چکر آگیا۔ چھوٹی صاحبزادی کو احساس ہو گیا وہ اور ان کی والدہ پہنچیں وہاں سے اٹھا کر لایا گیا اور لٹا دیا گیا اس وقت غشی کی سی کیفیت تھی قریباً دس منٹ میں ہوش آگیا۔ ڈاکٹر قریشی صاحب کو بلایا گیا تھا وہ فوراً پہنچ گئے حضرت نے ان سے فرمایا کچھ نہیں بس چکر آگیا تھا اس کے بعد کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے لیکن سنا نہیں جا سکا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ بڑے صاحبزادے نے صرف یہ آیت سنی وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ...... الآیۃ۔ اسی حالت میں پیٹ میں یا سینہ میں تکلیف شروع ہو گئی۔ شدت کرب کی وجہ سے بار بار اٹھنے کو اور لٹانے کو فرماتے۔ ڈاکٹر قریشی صاحب نے انجکشن تیار کیا اور عرض کیا کہ اسے لگوا لیجئے انشاء اللہ ابھی سکون ہو جائے گا فرمایا کہ اچھا لگا دیجئے اور پھر کچھ پڑھنے میں

جھگڑوں کا سدِ باب

محمد شفیع عمر الدین - میرپور خاص سندھ

بندگانِ خدا تعالیٰ کے اوصافِ حمیدہ میں سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ:

اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (فرقان ۶۳)

جب ان سے بے سمجھ لوگ بات کریں تو کہتے ہیں "سلام" ہے۔

یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صفح سے دیتے ہیں جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو سلام بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ ان میں شامل ہوں نہ اُن سے لڑیں ان کا شیوہ وہ نہیں - جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا

اَلَا لَا یَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا
فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِیْنَا

(حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ)

اللہ تعالیٰ کے کلام کا ہر لفظ بے پایاں سمندر ہے اگر بندے اس ایک نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں تو تمام فضول جھگڑوں کا مکمل سدِ باب ہو سکتا ہے۔

بعض اوقات معمولی بات چیت بہت بڑے جھگڑے کا موجب بن جاتی ہے۔ اور فتنے اور فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے جس کی لپیٹ میں دوسرے لوگ بھی آجاتے ہیں۔ بعض اوقات معمولی بحث مباحثہ بہت بڑی ہنگامہ آرائی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں نصیحت فرماتے ہیں کہ کسی کے ساتھ "بحث اور جدل" نہ کریں۔ کیونکہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی دلخراشی کا موجب بن سکتی ہے (مثلاً) اگر مخالف کہے اس طرح ہے اور تم کہو کہ اس طرح ہے تو اس گفتگو سے تکرار شروع ہو جاتا ہے اس کے سدِ باب کا طریقہ یہ ہے کہ تم کہو میں مانتا ہوں کہ میں غلطی پہ تھا اتنا کہنے پر تکرار نہ بڑھے گا۔ اور فتنہ اور شورش پیدا نہیں ہوگا۔ اور دل مکدر نہ ہوگا۔ اور اہلِ معرفت کا طریقہ یہی ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ چند درویش حضرت شیخ بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے کہا۔ کہ ہمارے درمیان ناخوشی ہے، ہمارا قصہ سنیں اور فیصلہ صادر فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میرا دماغ جھگڑے کی باتیں نہیں سن سکتا۔ مولانا بدرالدین اور نظام الدین تمہارا فیصلہ کریں گے۔ یہ درویش ان دونوں بزرگوں کے پاس گئے اور ان کے روبرو بیٹھ کر "سخن نزاع" شروع کیا اور ایک نے دوسرے کو کہا کہ: آپ نے اس مقدمے میں اس طرح ارشاد فرمایا تھا" دوسرے نے کہا "جی نہیں" آپ نے یوں فرمایا تھا۔ جھگڑے والوں نے ایک دوسرے کی باتوں کو حسن آداب سے بیان کیا، سلطان المشائخ اور مولانا بدرالدین اسحاق نے اس بات پر بہت گریہ کیا اسلیے کہ جب آپس میں ناخوشی کی حالت میں یہ ایک دوسرے کا پورا ادب اور تعظیم کرتے ہیں تو خوشی کی حالت میں ایک دوسرے کی کس قدر رعایت کرتے ہوں گے۔ ان دونوں حضرات نے حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں عرض کی کہ یہ بزرگ ہماری تربیت کے لیے آئے ہیں کہ درویشوں کی باہم سخت و تلخ کلامی نہیں ہونی چاہیئے اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کا اتباع عطا فرمائے۔ (از مکتوب ص ۹۹)

مذکورہ بالا نصیحت میں قرآن مجید کے حکم کا عملی پہلو نمایاں ہے ہمیں بھی چاہیئے کہ روزمرہ پیش آنے والے تنازعات کا سدِ باب اسی طرح کریں اور اپنے آپ کو بے فائدہ الجھنوں اور پریشانیوں میں نہ ڈالیں۔

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا ہے کہ یہ بات بھی جھگڑے اور فساد کی بنیاد ہے جب ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں پھل میٹھا ہے اور دوسرا اس کے رد میں کہتا ہے کہ نہیں بلکہ کھٹا ہے۔

اب وہ حضرات جو روزمرہ پیش آنے والے کو فضول بحث میں طول دینے کے عادی ہیں۔ دوسروں کی خواہ مخواہ دل آزاری اور دل شکنی اور رنجش کا باعث بنتے ہیں - انہیں سبق سیکھنا چاہیئے۔ اور اس طرح کی باتوں سے گریز کرنا چاہیئے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بوستان میں ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک شریر اور بدزبان شخص نے ایک اللہ والے سے کچھ مانگا۔ بزرگوں کا شیوہ ایثار اور عطا ہے اور وہ کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ مگر افسوس اس وقت بزرگ کے پاس اسے دینے کے لیے ایک کوڑی بھی نہ تھی لہذا مانگنے والا محروم لوٹا اور جب وہ گلی میں بزرگ سے اوجھل ہوا تو ان کے بارے میں بہت برے الفاظ زبان پہ لایا کہنے لگا کہ یہ بچھو ہے۔ صوفیاء کرام کے لباس میں چیرنے پھاڑنے والا شیر ہے لوگوں کو پھنسانے کے لیے بلی کی طرح سر زانو پر رکھ کر مراقبہ کرتا رہتا ہے کیونکہ گھر میں رہ کر شکار ہاتھ نہیں آتا اس لیے مسجد میں دکان کھول رکھی ہے۔ یہ گندم نما اور جو فروش ہے۔ اگر سنتِ نبوی سے اس نے کچھ سیکھا ہے تو صرف دو ہی باتیں سیکھی ہیں۔ ایک دوپہر کا قیلولہ اور دوسری سحری کے وقت کھانا۔ غرض اسی طرح کی بہت سی ناموزوں اور ناشائستہ باتیں بزرگ کی شان میں اس نے کہیں اور یہ سب باتیں اس شریر کی اپنی بدحالی کی عکاسی کرتی تھیں وہ اپنے قلبی آئینے کا زنگ دوسرے میں دیکھ رہا تھا۔

بزرگ کے ایک مرید نے یہ باتیں بزرگ کے کانوں تک پہنچائیں۔ حالانکہ اسے ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ بزرگ نے ہنس کر فرمایا کہ سائل تو میرے ایک فی صد بھی عیوب بیان نہ کر سکا۔ میری برائیوں کے متعلق اس کی معلومات بہت ہی محدود و کم ہے کیونکہ وہ مجھے ایک سال سے جاننے لگا ہے اور اس لیے میری ستر برس کی برائیوں اور کوتاہیوں کا اسے بالکل علم نہیں۔ اللہ والے نالائقوں کی ناگوار باتوں کو اس طرح شنیدہ ناشنیدہ جان کر ٹال دیتے ہیں ورنہ عیب ٹٹولنے والوں کی حالت یہ ہے کہ ؎

گر از خاک مردم سبوئی کنند
بسنگش ملامت کناں بشکنند

یعنی یہ لوگ ان کے مرنے کے بعد بھی نہیں چھوڑتے اور ان کے عیب نکالتے رہتے ہیں۔ اگر مرنے کے بعد مرنے والے کا بدن مٹی ہو جائے اور اسی مٹی سے کمہار صراحی تیار کرے تو عیب جو اس میں بھی عیب نکال کر اسے پتھر مار کر توڑ ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بے فائدہ جھگڑوں سے بچائے۔

بقیہ: خطبہ جمعہ

یا صرف تمام تیل سپلائی کرنے والے مسلم ممالک نے اپنی ذمہ داری کا کیا احساس کیا؟ نہیں نہیں یہاں تو ایسے مسلم ممالک بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم سب کو تیل فراہم کریں گے۔ بھارت ہو یا روس، امریکہ ہو یا کوئی اور جو ہمیں زیادہ پیسے دیگا اسے تیل فراہم کریں گے ایک طرف وہ اسلام اسلام پکارتے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے بے گناہ بچوں اور عورتوں پر آگ برسانے والے جہازوں اور ٹینکوں میں تیل ڈالتے ہیں جب تک اس طرح کے مار آستین ملتِ اسلامیہ کی صفوں میں حکمران موجود ہیں اس وقت تک مسلمان ایک طاقت کی حیثیت سے نہیں ابھریں گے ان کج رو حکمرانوں کو اپنا آپ صحیح کر لینا چاہیئے ورنہ ایک دن ضرور آئے گا۔ جب ان کے اقتدار کی عمر تمام ہو جائے گی۔ اس روز صحیح لوگوں کا ان غلط کاروں کے گریبان میں ہاتھ ہوگا۔ کیونکہ یہی مفاد پرست اور جاہ و اقتدار کا پجاری گروہ امتِ مسلمہ میں انتشار و اختلافات کی تخم ریزی میں مصروف رہتا ہے ہماری عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے ضروری ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم باہمی سر پھٹول اور افتراق و تشتت سے نجات حاصل کر کے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کا عملی نمونہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق بخشے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

اصلاح معاشرہ

ترقی کا صحیح راستہ

مرسلہ: ایم عبدالرحمن، لودھیانوی شیخوپورہ

اسلام کی عظیم الشان عمارت کے چار ستون ہیں (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) اخلاقیات (۴) معاملات۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا یہی طرۂ امتیاز ہے کہ وہ ان چاروں عنوانوں کا مجموعہ تھی۔ آپ نے یہ حقیقت بار بار دہرائی کہ ہر انسان کا تعلق ایک اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے خالق کی مخلوقات کے ساتھ۔ یعنی اس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہود کی طرف۔ خدا اور بندہ کے جن اجزاء کا تعلق ہماری قلبی و ذہنی کیفیات سے ہے۔ ان کو اعتقادات کہتے ہیں اور جن اجزاء کا تعلق ہمارے جسم و جان اور مال و دولت سے ہے وہ تین ابواب، عبادات، اخلاق اور معاملہ میں تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ اسلام کی تکمیل کے لیے ان چاروں کا استحکام ضروری ہے۔ نجات کا دارو مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے اسی لیے قرآن پاک میں اٰمنوا کے ساتھ وعملوا الصالحات پر ہمیشہ زور دیا گیا ہے۔

ارشاداتِ نبویہ

۱۔ مومنوں میں اُسی کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

۲۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی یا پڑوسی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ (بخاری)

۳۔ جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں (بخاری)

۴۔ اچھے اخلاق ہی کو اسلام کہتے ہیں۔

۵۔ قیامت کی ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی اور چیز نہ ہوگی۔

۶۔ خوش اخلاق دنیا اور آخرت کی نیکی کو لے گیا۔

۷۔ بخل اور بد اخلاقی دو ایسی چیزیں ہیں جو مومن میں کبھی جمع نہیں ہوتیں۔

۸۔ جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے وہی زیادہ اچھا آدمی ہے۔

۹۔ جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں وہ مسلمان نہیں۔ (کنز الاعمال)

مختصر یہ کہ اسلام اور زندگی میں ایک نہ ٹوٹنے والا رابطہ اور علاقہ ہے اور اس کی ہمہ گیر تعلیم کے اثرات سے ہم تب ہی اپنی جھولیاں بھر سکتے ہیں جب ہم اس کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کر لیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا مدار اپنے اندر سچا مذہبی جذبہ بیدار کرنے پر ہے تاکہ ہمارے تمدن کی بنیاد ابدی اخلاقی قدروں پر ہو۔ وہ طرز زندگی اور وہ تمدن جو مادی اغراض سے مغلوب ہو کر منشائے حق کو پس پشت ڈال دیتا ہے خود بھی برباد ہو جاتا ہے اور انسانیت کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اس کی تعمیر ریت کی دیواروں پر ہوتی ہے۔ اور جب وہ اپنے ہی پیدا کردہ مصائب کے بوجھ سے بیٹھنے لگتا ہے۔ جیسا کہ ضروری ہے تو وہ ہمسایوں کو بھی تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے۔ لیکن جن کی آنکھیں مغرب کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہو گئی ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی عمر ابھی صرف ڈیڑھ سو سال ہی ہے۔ اس میں انحطاط کی علامتیں پیدا ہو گئی ہیں۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ترقی کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس طرف؟ ہم کس شخص یا کس قوم کو ترقی یافتہ کہہ سکتے ہیں ہمارا زمانہ مغربیت زدہ ہے۔ ہم کھرے اور کھوٹے میں فرق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ مغرب کا ذہن تمام مادہ پرست ہے۔ اگر دنیاوی ترقی روحانی اور اخلاقی شعور کے ماتحت نہ ہو تو وہ بہت خطرناک بن جاتی ہے۔ جس طرح انسان میں جسم اور روح کا امتزاج ہے اسی طرح اس کی ترقی کے بھی مادی اور روحانی دو پہلو ہیں۔ اور دنیاوی ترقی اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب اسے اطاعت الٰہی کے زیر سایہ حاصل کیا جائے۔ صحیح تمدن وہی ہے جو دونوں کے مطالبوں اور تقاضوں کو تسلیم کرے اور ان میں عدل کرے اور اپنے سامنے یہ نصب العین رکھے کہ انسان کے مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرنا ہی ترقی کا صحیح مفہوم ہے۔

ہم نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ دنیوی علم و عمل سے دین کا رابطہ توڑ دیا ہے۔ عام مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی کی نوعیت شعوری نہیں بلکہ جذباتی ہو گئی ہے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جسموں میں جھرجھری اب بھی پیدا ہو جاتی ہے مسلمانوں کی زبوں حالی سے دل اب بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل سے تو ہم اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں مگر چلتے غیر اسلامی طریق پر ہیں۔ اور زندگی غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتے ہیں۔ بعض حضرات دین سے سیاست کا کام لینا چاہتے ہیں بعض تجارت کا۔ اور زیادہ تر تو اس سے کوئی کام لینا نہیں چاہتے۔ حال و قال کا یہ بُعد ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے خدا کو آقا اور مالک مان کر کے غیر سے گداگری کرتے ہیں۔ ہم کو شرم نہیں آتی۔ جھوٹ کو اُم الخبائث تسلیم کر کے تھوڑا سا نفع کمانے کے لیے جھوٹا حلف اٹھا لینا ہمارے اندر اُلجھن پیدا نہیں کرتا۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں خلوص، ایثار اور خدمت کے جذبات پیدا کرنا ہمارے لیے محال ہے۔

ہماری عبادتیں رسوم بن کر رہ جاتی ہیں اور ان کی بے اثری کا یہی راز ہے۔ اندرونی اصلاح کے ساتھ ساتھ خارجی علاج کا بھی پورا اہتمام کیا جائے۔ امیر لوگ اپنے مالوں کو کاٹتا ہوا خزانہ نہ بنائیں۔ غریبوں کی بھوک اور افلاس کے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ فضول خرچی کے مواقع ختم کیے جائیں۔ رشوت، بددیانتی، بے پردگی، لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط بند کیا جائے۔ بے حیائی اور بداخلاقی کی ترغیبات دُور کی جائیں۔

معاشرہ کا بناؤ بگاڑ، صلاح و فساد، اہل معاشرہ یعنی افراد کے دل کی حالت پر موقوف ہے۔ اگر دل میں بگاڑ آگیا ہے تو معاشرہ میں یہ امراض پیدا ہو جائیں گے اور افراد کا دل اگر درست ہے تو ان افراد کی ترکیب سے جو معاشرہ وجود میں آئے گا اس کی حالت بھی درست ہوگی۔ گویا معاشرہ کے ان امراض کو دیکھتے ہی افراد کے دل کے علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر دل کی حالت بدل گئی تو بہت آسانی سے ان برائیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے ورنہ پوری عمر اسی میں صرف ہو جائے گی اور امراض جڑ سے اکھڑ نہ جائیں گی۔ اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً ... الخ

آج ایک پھوڑا اچھا ہوگا تو کل دوسرا پھوڑا دوسری جگہ نکل آئے گا۔ غرض جب تک دل میں سیلاب فساد موجود ہے وہ روز نئے راستوں سے باہر آتا رہے گا۔ کسی تیز دریا پر

بند باندھ کر اس کا راستہ روکا نہیں جا سکتا۔ البتہ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر افرادِ انسانی کے قلوب کی اصلاح کے لیے دو بنیادی چیزیں پیش فرمائیں (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالیوم الآخر۔ حقیقی مالک اور حاکم ایک اللہ ہے ہر وقت ہر چیز پر اس کی نظر ہے، نہ اسے دھوکا دیا جا سکتا ہے نہ کوئی بات چھپائی جا سکتی ہے وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔

اسی طرح یقین کرے کہ موت سے کتابِ زندگی بند نہیں ہوئی بلکہ اس کا ایک دوسرا باب شروع ہوتا ہے۔ عمل کا باب ختم ہو کر جزا اور سزا کا باب شروع ہوتا ہے۔ وہاں اس زندگی کا کیا دھرا سامنے نظر آئے گا، باز پرس ہو گی۔ عقل ہر بات کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ بڑے بڑے فلاسفر اس اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں۔ عقل میدان چھوڑ چکی ہے۔

بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرہ کی حالت بالکل اُسی انسان کی سی ہے جس کا جسم زہریلے پھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے معاشرہ کے پھوڑے کیا ہیں۔ بداخلاقی، بے حیائی، ظلم، حقوق تلفی، رشوت، بد دیانتی اور اسی قسم کی سینکڑوں برائیاں۔ یہ زہریلے پھوڑے ہیں۔ جن کی وجہ سے چین و سکون سماج سے کوسوں دُور ہو گیا ہے۔ ان امراض کے سبب کا پتہ صحیح اصول علاج سے لگانا چاہیے۔ صرف وعظ و نصیحت کے مرہم یا کسی آہنی دباؤ پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔

ہم کو چاہیے کہ اسلام کے آبِ حیات سے اپنے معاشرے کو سیراب کریں۔ ہم میں ایک ایسی جماعت ہو جو اسلام کے عقائد اور اصولوں کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے اور زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات اور مسائل میں ان کو برت کر دکھلائے تاکہ قوم کو صحیح عملی ہدایت ملے۔ اور قومی مزاج میں پختہ دینی شعور اور خود اعتمادی پیدا ہو۔ یہی چیز ہمیں ترقی کے صحیح راستہ پر لگا سکتی ہے اور اسی کی اس وقت ضرورت ہے اور اگر نظر کو ذرا وسیع کر کے دیکھا جائے تو قرآن میں بھی یہی حکم ہے۔

ہم نے بدقسمتی سے اسلام کی سماجی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ یہی وہ صفت تھی جس نے اسلام کی تہذیب کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ اور اسلام کی تہذیب اپنے عروج کو نہیں پہنچ سکتی جب تک انسان اپنی زندگی کا رشتہ رضائے الٰہی سے نہ جوڑے اور مادی ترقی صرف اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب روحانی اور اخلاقی اقدار سے اس کا رشتہ قائم ہے۔

مسلمانو! ایک اور نیک ہو جاؤ

آزاد شیرازی

"مسلمانو! اگر اکٹھے ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری بگڑی بھی بن جائے گی۔ علیحدہ علیحدہ رہو گے تو دشمن نے بہت کچھ دبوچ لیا ہے باقی سب کچھ دبوچ لے گا۔ شیطان کے ساتھ دوستی کرتے ہیں بالآخر سب کچھ کھو دو گے، رسوا اور ذلیل ہو چکے ہو۔ بندر اور سؤر بن جاؤ گے ۔۔۔ دوسری قومیں تمہاری کئی برس کی کمزوری کو دیکھ کر سب کچھ تم سے چھین کر لے گئی ہیں۔ اب ہوش کرو۔ اور سنبھلو! پھر خدا کے سیدھے سادے دین کی طرف آ جاؤ۔ جس دن تم خدا کی طرف پھر آؤ گے خدا پھر تمہارا ہو جائے گا۔" (علامہ المشرقی)

یہ الفاظ جو آج سے سینتیس برس پہلے اس صدی کے ایک عظیم مصلح علامہ المشرقی نے کہے تھے۔ گزشتہ کئی روز سے میرے دل و دماغ میں گونج رہے ہیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مرحوم کی روح پاکستانی مسلمانوں سے مخاطب ہو کر بار بار بڑی زوردار آواز میں یہ الفاظ کہہ رہی ہے اور آج بالآخر مجھے اس آواز کو پاکستانی مسلمانوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرنا ہی پڑا ہے۔

کبھی کبھار میں یوں بھی سوچنے لگتا ہوں کہ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد پوری ایک صدی میں مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کتنی عظیم الشان کوششیں کی گئیں لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت ؎

"کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے"

کی مصداق ثابت ہوئی۔ اس لیے اس قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کا فریضہ مجھ ایسے گنہگار انسان کے بس کا روگ نہیں۔ میں جو خود اسی قوم کا ایک بے عمل اور سیہ کار فرد ہوں۔

"دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت"

کا مصداق ہوں۔ اس قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیا اس صدی میں اس قوم کو دعوتِ حق پہنچانے کا فریضہ سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا محمود الحسنؒ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دیگر عظیم شخصیتوں نے کما حقہ انجام نہیں دیا۔ کہ ان سب حضرات نے قوم کو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین نہیں فرمائی۔ کیا ان سب مرحوم و مغفور انسانوں نے اپنی زندگیاں قوم کی بہتری و بہبودی کے لیے وقف نہیں کر دی تھیں۔ پھر کیا قوم نے ان کی آواز کو لبیک کہا، ان کی دعوت پر عمل کیا؟

ہاں بلاشبہ یہ وہ عظیم انسان تھے جنہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ راہِ خدا میں وقف کر کے مسلمانوں کو ان کی چھینی ہوئی عظمت و حکمرانی دلانے کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت نے سر سید احمد خاں کے علی گڑھ کالج کے ذریعہ انگریز کی اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کی تو پوری کوشش کی۔ لیکن اکبر الہ آبادی کے اس شعر کو محض ایک مجذوب کی بڑ سمجھا ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

میرے پیر و مرشد شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے خطبہ جمعہ میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمانو! اپنی اولاد کو ایم۔ اے، بی۔ اے بنانے والو! اپنی اور اپنی اولاد کی عاقبت کی بھی کچھ فکر کرو۔ اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے بھی آشنا کراؤ۔ لیکن افسوس کہ اُن کا خطبہ جمعہ سننے والوں کی اکثریت بھی ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے یہ نصیحت نکال باہر کرتی رہی۔ جس کے نتیجے میں آج مسلمان کہلانے والی یہ قوم۔ ہاں اسلام کے نام پر پاکستان کا خطہ ارضی حاصل کرنے والی قوم پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ بلند کرنے والی قوم آج یگانہ چنگیزی کے اس مقام پر کھڑی ہے ؎

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم، گھر کا راستہ نہ ملا!

بہر صورت میں اپنی قوم تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "مسلمانو! ایک اور نیک ہو جاؤ۔"

نیکی کی دلالت

اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ (مسلم)

نیک کام کی ترغیب دینا نیکی کرنے والے کے برابر ہے۔

تیرے کہنے سے سدھر جائے خراب
تم کو بھی اتنا ملے گا یہ ثواب!

اسی طرح قرآن کریم اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وغیرہ ہیں جو معجزات کا بیان ہے۔ پرویز ان کا بھی سرے سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ کوئی حسی معجزہ ثابت نہیں۔ رسالہ من ویزداں میں تشریح کی گئی ہے کہ نہ جنت ہے اور نہ دوزخ ہے۔ اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بنایا ہے۔ اس نے کہا کہ جب تک حدیث کو نہیں چھوڑو گے اس وقت تک تم ترقی کی راہ نہیں چل سکو گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے نزدیک لوگ قرآن کی طرف دعوت دیں گے لیکن اس کے باوجود چھ شخص ایسے ہوں گے جو لعنت کر دیے گئے ہیں۔

پہلا المکذب بقدر اللہ۔ چنانچہ مقدمہ مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں دے دے تو جب تک تقدیر پر ایمان نہیں ہوگا اس وقت تک کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اور طلوع اسلام میں ہے کہ مسئلہ تقدیر مولویوں کا من گھڑت مسئلہ ہے۔

دوسرا الزائد فی کتاب اللہ کہ قرآن کریم میں تحریف کرنے والا اور تحریف کی اطلاع اور اس کا علم علماء کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو۔ جب تک علماء کا دامن نہیں پکڑو گے اس وقت تک ٹھوکریں کھاتے پھرو گے۔

تیسرا المتخلف بالجبروت لیعز من یذل اللہ و یذل من لیعزہ اللہ کہ خود بخود جبراً حاکم بننے والا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سفر میں جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ جو ساتھی تھا آپ اور وہ باری باری اونٹ پر سوار ہوتے رہے۔ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح اس کیفیت کو دیکھ کر کچھ کہنے لگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تیرے سوا کوئی اور یہ بات کہتا۔ تو میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ جو امت محمدیہ میں عبرت ہوتی۔

ساری بدیاں اور برائیاں مٹائی جا سکتی ہیں، جب قرآن کا قانون جاری کیا جائے۔ ورنہ ان طوفانوں کا سدباب محال ہے۔

چوتھا المستحل من عترتی۔ یعنی اگر کوئی شخص میری عترت سے ہو اور حرام اشیاء کو حلال قرار دے تو وہ بھی ملعون ہے۔

پانچواں المستحل لحرم اللہ حرم سے مراد یا تو حرم پاک ہے یا حرم سے مراد حرام شئے ہے۔ جو بھی ہو وہی معنی کے لحاظ سے درست ہو سکتا ہے

چھٹا التارک سنتی۔ کہ حدیث کو ترک کرنے والا بھی ملعون ہے۔ کیا اب بھی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔

تاریخ بغداد میں ہے کہ جب حضرت احمد بن حنبلؒ کا وصال ہوا تو جنازے میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد کو دیکھ کر بیس ہزار غیر مسلم مسلمان ہو گئے تھے۔ اور آج یہ حالت ہے کہ جب سے پاکستان بنا ہے چالیس ہزار سے زائد مسلمان عیسائی بن چکے ہیں۔ اگر یہ دینی مدارس اور علماء نہ ہوتے تو دین کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا یہ مدارس دین کی حفاظت کے لیے مضبوط قلعے ہیں۔ ہمیں تو اندیشہ ہے کہ عنقریب قرآن و حدیث کو صحیح معنے میں سمجھنے والا بھی کوئی نہ ملے۔ ع

غنیمت جان مل بیٹھنے کو کہ ابھی ایک گھڑی باقی ہے

باقی رہا یہ کہ اسلام کے نام لیواؤں میں اختلافات کیوں ہیں۔ یہ پرویز کی طرف سے ایک بھونڈا اعتراض کیا جاتا ہے ؎

غیر کی آنکھوں کا تنکا بھی نظر آتا ہے
ذرا اپنی آنکھ کا شہتیر تو دیکھ

کیا منکرین حدیث میں اختلاف نہیں؟ ان کے ایک مذہب میں ہفتہ بھر میں صرف ایک نماز

([illegible] مئی ۱۹۷۰ء)

بقیہ: شاہ محمد یعقوبؒ

مشغول ہو گئے صاحبزادگان اور صاحبزادیاں اور اہلیہ محترمہ قریب تھیں۔ فرمایا کہ تم سب کلمہ شریف پڑھو، کلمہ شہادت پڑھو، لیٰسین شریف پڑھو بڑے صاحبزادے محمد سعید صاحب نے لیٰسین شریف شروع کر دی۔ دوسرے حضرات کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھنے لگے۔ فرمایا اب میں رخصت ہو رہا ہوں۔ گھٹنوں تک جان نکل چکی ہے پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے جو سنا نہیں جا سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اب ہاتھوں کی جان نکل چکی ہے۔ پھر موجودین کو مخاطب کر کے فرمایا تم سب گواہ رہنا اور پھر بلند آواز سے ایک دفعہ کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر قریباً ایک منٹ کے بعد بلند آواز سے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اور روح واصل بحق ہو گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

بڑی صاحبزادی ناگپور میں تھیں ان کو ٹیلیفون سے اطلاع دی گئی وہ اسی وقت بھوپال کے لیے روانہ ہو گئیں ان کے انتظار کی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہو گئی۔ اور جمعرات کے دن ۴ بجے سہ پہر جنازہ خانقاہ سے اٹھ سکا۔ جنازہ میں شریک ہونے والوں کا اندازہ پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک کیا گیا ہے۔ جنازہ کی نماز صاحبزادگان کے اصرار پر مولانا محمد عمران خان صاحب نے پڑھائی اور عصر و مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔

اس حادثہ سے حضرت کے اعزہ و متعلقین اور محبین و مسترشدین کا متاثر اور غمزدہ ہونا بالکل فطری بات ہے لیکن حق یہ ہے کہ حضرت تو اپنی مراد کو پہنچ گئے جس کے لیے روح عرصہ سے مشتاق اور بے چین تھی۔ حضرت کا ایک ملفوظ جو الفرقان میں آپ سے بہت پہلے شائع ہوا تھا۔ اس کا اقتباس آج بھی پڑھ لیا جائے۔

اس سلسلۂ کلام میں "حیات طیبہ" اور دنیا و آخرت کی زندگی کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت کرتا ہے اور بڑے درد و حسرت سے کہتا ہے کہ اب مرنا ہی باقی ہے وہ لڑکوں اور جوانوں کو رشک و حسرت سے دیکھتا ہے کہ کبھی میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی کسان خوشی خوشی کھیتی کرے جب غلہ کاٹنے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور مایوس ہو۔ حالانکہ یہ ساری محنت و مشقت اسی دن کے لیے تھی ...... حدیث میں آیا ہے کہ جو اللہ کی ملاقات کا مشتاق ہو اللہ بھی اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ "مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ" ــــ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بندے کے لیے خدا کی طرف سے سلام و پیام آتا ہے"

اسی سلسلہ کلام میں پنجرہ میں بند ایک مینا کا یہ حال بیان فرمایا کہ وہ اڑنے والی میناؤں کی آواز سن کر پنجرہ میں بڑی بے تابی سے پھڑ پھڑایا کرتی تھی۔ فرمایا کہ "یہی حالت روح کی ہے جب وہ اوپر کی آوازیں سنتی ہے اور اس کے کان میں صدا آتی ہے۔

یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ تو وہ بھی پھڑ پھڑاتی ہے اور اس کا دل بھی چاہتا ہے کہ پنجرہ کی تیلیاں توڑ کر وہ بھی اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرے اور اپنے ہم جنسوں میں جا ملے۔

(ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوبؒ ص ۹۸-۹۹)

ایک دوسرے ملفوظ میں مومن کی موت کی یہ حقیقت بیان کرتے ہوئے کہ وہ دراصل وطن اصلی عالم آخرت اور اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضا کی طرف منتقلی کا نام ہے ارشاد فرمایا۔

میں تو جب کسی بندۂ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں۔

(یک ز ساعت صحبتے با اہل دل ص ۹)

ہم ـــ حضرت کے صاحبزادگان، صاحبزادیوں اور اہلیہ محترمہ اور تمام محبین و مسترشدین کی خدمت میں حضرت کے یہی دو ملفوظ بطور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے درجے بلند فرمائے اور اخلاف کو ان کی اصل دولت کا وارث بنائے۔ انہ غفور رحیم شکور۔

محمد منظور نعمانی ۳۰ مئی ۱۹۷۰ء

طلبہ کی سرگرمیاں

جمعیۃ طلبۂ اسلام عربی مدارس اور کالجوں کے طلبہ کا سنگم ہے

گھوٹکی میں دفتر کے افتتاح کے موقعہ پر شمس الدین پٹھان کی تقریر

گھوٹکی۔ گزشتہ روز جمعیۃ طلبہ اسلام کی مقامی شاخ کی دفتر کی افتتاحی تقریب کے موقعہ پر صوبہ سندھ کے نائب صدر شمس الدین پٹھان نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ جمعیۃ کی مقامی شاخ کے جنرل سیکرٹری عبدالغنی شیخ نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔

مہمانِ خصوصی نے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اٹھارھویں صدی کے وسط میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے اقتدار کو تدریجاً بڑھانا شروع کیا۔ اس نے اپنے اس اقتدار کو وسعت اور استحکام بخشنے کے لیے موجودہ نظام تعلیم کی بنیاد رکھی جس کا مقصد اس نظام تعلیم کے مرتب لارڈ میکالے نے اپنی رپورٹ میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

"انگریزی تعلیم حکومت کا فرض ہے۔

انگریزی زبان ہندوستانیوں کے لیے مغرب کے ترقی یافتہ اور وسعت پذیر علوم کا دروازہ کھول دے گی۔ اور ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان مغربیت کا جامہ پہن لے گا اور وہ ایسا طبقہ ہوگا جو خون اور رنگت کے اعتبار سے ہندوستانی تو خیالات اور تہذیب کے اعتبار سے انگریز ہوگا"۔

انہوں نے کہا کہ آج واقعی تعلیم یافتہ نوجوان مغربیت اور مادیت کی گود میں ہیں۔ اور ان کے دلوں میں مذہبی تنفر پیدا ہو رہا ہے۔

ہماری تنظیم کا مقصد اس صورتِ حال کا انسداد کرنا ہے۔ کیونکہ ہماری قومی اور مذہبی زندگی کے استحکام اور بقا کا انحصار اسی میں مضمر ہے۔ اور اسی لیے ہم نے اپنے دستور میں یہ دفعہ رکھی ہے کہ ہماری تنظیم میں مدارس عربیہ اور کالجوں کے طلبہ شامل ہوں گے تاکہ ہم اس حسین امتزاج کے ذریعے اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر لیں۔

مولانا منظور الدین نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ انسان تمام مخلوقات سے اپنے علم اور عقل کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اور اسی کی بنا پر اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور خلیفہ کا کام ملی ہوئی چیز کو رائج کرنا اور نافذ کرنا ہوتا ہے۔ ایسے افراد اور نوجوان اسی صورت میں تیار کر سکیں گے کہ ہمارا نظام تعلیم عصری معلومات کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی لیے ہوئے ہو تاکہ تخلیق انسانی کا عظیم مقصد بھی حاصل ہو جائے۔

آخر میں عبدالغنی شیخ نے مہمان خصوصی، صاحب صدر اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے قائدین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم طلبہ میں دینی جذبہ پیدا کرنے کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

ٹنڈو محمد خان یونٹ کا انتخاب

گزشتہ دنوں گورنمنٹ ہائی سکول ٹنڈو محمد خان کا انتخاب جمعیۃ طلبہ اسلام حیدرآباد کے صدر کی صدارت میں ہوا۔ عہدے داروں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

صدر، نذیر احمد قریشی۔ جنرل سیکرٹری محمد علی قریشی۔ خازن، نور محمد قریشی۔ ناظم نشر و اشاعت محمد علی قریشی۔ ارکان مجلس شوریٰ، حبیب احمد قریشی، محمد اکبر قریشی، محمد عمر قریشی۔

اظہارِ تعزیت

ہم ایل۔ ایم۔ سی جامشورو یونٹ کے ایک سرگرم کارکن قادر بخش کے والد صاحب کی وفات پر ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(مرکزی عہدیداران جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان)

جمعیۃ طلبۂ اسلام صوبہ سندھ کے صدر کی ہدایات

جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ کے صدر سید عبدالغفور شاہ نے صوبہ سندھ کی تمام شاخوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی ماہانہ رپورٹ باقاعدگی سے بھیجیں اور دستور کے مطابق صوبائی دفتر کو فنڈ بھی باقاعدہ بھیجنا چاہیے۔ تاکہ اس میں سے مرکز کو بھی بھیجا جا سکے۔ جس کی مدد سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں لٹریچر فراہم کیا جا سکے۔

(فضل اللہ سیٹھا ناظم جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ)

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ
ترجمہ: تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ ہے۔

حکومت توجہ کرے

حکومت نے طلبہ کو کرائے میں جو رعایت دی ہے، کنڈیکٹروں اور ڈرائیوروں کے غلط رویہ کی وجہ سے طلبہ کے لیے اس رعایت میں کوئی فائدہ نہیں الٹا طلبہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب طلبہ ٹرانسپورٹ کمپنیوں کے ٹکٹ گھروں سے ٹکٹ لینے کے لیے جاتے ہیں تو انہیں ٹکٹ دینے سے صاف طور پر انکار کر دیا جاتا ہے اور اگر طلبہ ان سے اپنے قانونی حق مانگنے سے متعلق کہتے ہیں تو وہ انتہائی حقارت کی نظروں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ گالی گلوچ اور دشنام طرازی پر اتر آتے ہیں اور اس طرح ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ڈرائیور اور کنڈیکٹر بھی راستوں میں طلبہ سے اسی طرح کا سلوک کرتے ہیں۔ اور وہ یوں کہ جب طلبہ بس ٹھہرانے کے لیے معروف طریقہ کے مطابق ہاتھ ہلاتے ہیں تو وہ اول تو بس ٹھہراتے ہی نہیں اور اگر کسی نوجوان پر شبہ نہ ہونے کی بنا پر بٹھا بھی لیں تو ٹکٹ کاٹتے وقت پتہ چلنے پر پہلے تو اس سے پورا کرایہ لینے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر بس ٹھہرا کر نیچے اتار دیتے ہیں اور اگر دو تین طلبہ اکٹھے ہوں تو انہیں با دل نخواستہ ٹکٹ دے دیتے ہیں لیکن ان کی طرف ایسے گھورتے ہیں۔ جیسے درندوں کی طرح ابھی چیر پھاڑ کھائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ آخر ڈرائیور اور کنڈیکٹر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس پر غور کرنے کی دو ہی وجہ سامنے آتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ ڈرائیور اور کنڈیکٹر بس مالکان سے ہمدردی جتا کر انہیں اعتماد میں لیتے ہیں اور اپنی تنخواہ بڑھوانے کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مالکانِ بس خود ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کو ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ بہرحال یہ دونوں صورتیں قانون شکنی اور طلبہ کی پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ٹرانسپورٹروں، ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کو تنبیہ کرے۔ اور ان سے سختی سے قانون پر عمل کرائے تاکہ طلبہ اس بے چینی اور پریشانی سے نجات پا جائیں۔

ہمیں یہاں یہ بات حکومت سے اور کہنی ہے کہ جب طلبہ کے ساتھ اس قسم کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور حکومت اس کی روک تھام نہ کرے تو وہ مجبوراً جلوس نکالتے ہیں، جلسے کرتے ہیں اور قرار دادیں پاس کرتے ہیں تو حکومت یہ کہہ کر ٹال دیتی ہے کہ طلبہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں تعلیم پر ان کی کوئی توجہ نہیں۔ (شمس القمر قاسمی)

بچوں کا صفحہ

حضرت امام شافعیؒ

عتیقہ راشدہ
لائلپور

آپ مسلمانوں کے تیسرے امام ہیں آپ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کا زمانہ تھا۔ آپ نے امام مالکؒ کے زمانے اور سایہ تربیت میں آنکھیں کھولیں۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کے پیش رو ہوئے۔

آپ کا نام محمد تھا۔ آپ کے والد کا نام ادریس بن عباس تھا۔ آپ کے والد مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے امام شافعیؒ کا سلسلہ نسب رسول کریمؐ سے ملتا ہے حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں ہونے کے سبب مطلبی کہلاتے تھے۔ آپ جس روز پیدا ہوئے اسی روز امام ابو حنیفہؒ وفات پا گئے۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔

اس لیے آپ نے اوائل عمر میں اپنے ماموں کے پاس پرورش پائی۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اور آٹھ سال کی عمر میں امام مالک کی مشہور زمانہ کتاب "موطا" ازبر کر لی۔

آپ کے گھریلو حالات اتنے اچھے نہ تھے کہ آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے لیکن حصول تعلیم کا اس قدر شوق تھا کہ جو حدیث یا مسئلہ سنتے۔ فوراً ہڈی پر لکھ لیتے۔ اور حفظ کر لیتے۔

آپ نے مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ تیر اندازی میں بے پناہ مہارت حاصل کی۔ کیونکہ ان دنوں حکومت کی "عوامی سپاہ" میں ہر شخص کو حصہ لینا ہوتا تھا۔ ادب اور فنِ لغت میں بے حد کمال حاصل تھا بحث و مناظرہ میں کامل دست گاہ تھی۔ فن تاریخ اور طب کے بڑے عالم تھے۔ آپ نے فقہ میں بے پناہ اصول ترتیب دیئے جو آج تک مستند سمجھے جاتے ہیں آپ کو تقریر و تحریر دونوں پر عبور حاصل تھا آپ نے ۴۵ سال کی عمر میں عربی زبان میں علمی اور ادبی جواہر پاروں کا اضافہ کیا۔

آپ ہمیشہ سخاوت کی تعلیم دیا کرتے آپ کی سخاوت کے بارے میں بہت سے واقعات مشہور ہیں ایک بار عید کے موقع پہ آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا آپ نے کسی سے ستر دینار قرض لیے۔ راستہ میں چند فقیروں نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ نے ساری رقم ان میں تقسیم کر دی اور خالی ہاتھ واپس چلے آئے۔ اس واقعہ کے متعلق ہارون کے ایک وزیر نے خواب دیکھا اور ایک ہزار دینار آپ کی خدمت میں پیش کئے جو آپ نے قبول کر لیے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ علم حاصل کریں مجھے نہ مدح کی پرواہ ہے اور نہ کسی اور طرح کی آرزو۔

امام صاحب بہت عرصے بیمار رہے — بعض اوقات سفر میں بھی تکلیف ہو جاتی تھی اس کے علاوہ آپ کو ایک شخص نے گرز مار کر زخمی کر دیا تھا جس سے بہت زیادہ خون ضائع ہو گیا۔ اور آپ ۳۰ رجب ۲۰۴ ہجری بعد نماز عشاء وفات پا گئے۔

پاکستانی نوجوانوں کے نام

اے جوانانِ وطن! — اے نونہالانِ چمن!

گلشنِ اسلام کی تم آخری اُمید ہو
ظلمتوں کی شام میں تم ہی ہلالِ عید ہو
تم سے وابستہ ہے مستقبل زمینِ پاک کا
آفتاب آسا ہے ہر ذرہ تمہاری خاک کا
تم ہو طارق اور تم ہی خالد جانباز ہو
آسمانِ حال و استقبال کے شہباز ہو
تم نہ سندھی ہو نہ پنجابی نہ تم افغان ہو
تم مسلماں ہو یقیناً حاملِ قرآن ہو
کفر کی تہذیب نے گھیرا ہے پاکستان کو
اور بھلا بیٹھے ہیں ہم اسلام کو قرآن کو
نوجوانو! ہاتھ میں لے کر علم اسلام کا
پھیر دو اک بار پھر رخ گردشِ ایام کا
اے جوانانِ وطن! اے نونہالانِ چمن!

۵ مئی ۱۹۷۳ء — آغا دشیا می مدیر تذکرہ لاہور

بقیہ: حجیتِ حدیث

ہے کسی کے ہاں دو نمازیں اور کسی کے نزدیک تین اور ایک صاحب چھ نمازوں کے قائل ہیں اور طلوع اسلام میں تو آیا ہے کہ نماز کے لیے وضو بھی ضروری نہیں۔ بلکہ صرف کرسی پہ بیٹھ کر چند ایک بار اللہ اللہ کہہ دینے سے نماز ادا ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ انکارِ حدیث سے نہ دین باقی اور نہ ایمان باقی۔

قرآن کریم تو صرف اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کہتا ہے لیکن اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ کہ صَلُّوۡا کَمَا رَاَیۡتُمُوۡنِیۡ اُصَلِّیۡ۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی کیفیات بھی قرآن کریم میں نہیں۔ الغرض بنیادی چیزیں بھی بغیر حدیث کے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

ایک شخص نے رقعہ دیا کہ کیا تم وسیلے اور ایصال ثواب کے قائل ہو؟ تو اس کے جواب میں مولانا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ:

"سٹیج پر متقدر علماء مفتی محمود صاحب، مولانا محمد شفیع صاحب اور دیگر علماء تشریف فرما ہیں ان سے پوچھ لو کہ ہمارے علمائے اہل حق اہلسنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب اور وسیلہ جائز طریقے سے درست ہے کہ اے اللہ میری اس کلام کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچا دے۔ اور وہ میری نظروں میں تیرا مقرب ہے تو اس کے نیک اعمال کی طفیل میری فلاں فلاں مطلب برآری اور مشکل کشائی فرما۔ اور اس کی تصریح الترغیب والترہیب علامہ منذریؒ نے کر دی ہے۔"

اسی طرح دوسرا رقعہ مسئلہ تقلید کے بارے میں آیا اس کے جواب میں مولانا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"دیکھو میں کٹر حنفی ہوں۔ اس کے باوجود میں کبھی اس کا قائل نہیں ہوا کہ امام صاحبؒ نے کبھی اجتہادی غلطی نہ کی ہو۔ لہٰذا انبیاء کرام کی گدی پہ ائمہ مجتہدین کو بٹھانے کا الزام لگانا سراسر بے بنیاد ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے غلطی کا احتمال تک بھی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ معصوم ہیں۔ البتہ جو چیز صحابہ اور تابعین کے اقوال سے نہ ملے گی۔ اس میں ہم امام صاحب کا دامن ضرور

"اللہ میاں کا خط"

منیرہ حمیدہ لائلپور

قرآن سب سے اچھا قرآن سب سے پیارا
قرآن دل کی قوت، دل کا یہی سہارا
اللہ میاں کا خط ہے جو میرے نام آیا
للہ اب پڑھا دو جلدی مجھے سیپارا
پہلے تو ناظرہ سے آنکھیں کروں گا روشن
پھر ترجمہ سکھانا جب پڑھ چکوں میں پارا
مطلب نہ آئے جب تک کیونکر عمل ہے ممکن
بے ترجمے کے ہرگز اپنا نہیں گزارا
نظرِ کرم ہو یا رب، قرآن سیکھ جاؤں!
ہر دکھ کی یہ دوا ہے ہر درد کا ہے چارا
دل میں ہو میرے ایماں سینے میں نورِ فرقاں
بن جاؤں پھر تو سچ مچ میں آسماں کا تارا

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا